Title - Baagh-E-Nashaat

Creator - Radhe Nath Kaul Gulshan.

Publisher - Indian Press (Allahabad).

Date - 1945

Pages - 407

Subject - Urdu Shayari - Majmua Kalaam;
Urdu Shayari - Dawaween.

برای علیگڈھ یونیورسٹی لائبریری

از گلشن

چہار شنبہ ۲ فروری ۱۹۴۶ء

2069



۱ — دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول گلشن

بہارِ عالمِ حسنش دل و جاں تازہ میدارد
بہ رنگ اربابِ صورت را بہ بُو اربابِ معنی را

تاریخی نام

باغِ نشاط

مجموعۂ کلام

مرحوم رتن دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب المتخلّص بہ گلشن

مطبوعۂ انڈین پریس لمیٹڈ۔ الہ آباد

باہتمام کالی کے متر اپرنٹر انڈین پریس لمیٹڈ
الہ آباد۔ ۱۹۴۵ء

Poetry is an art that has every charm to attract, and every motive to please; for there is not a beauty detailed by mortal pen in divinity, history, philosophy, or nature, which poetry does not possess. Like the industrious bee it sucks the sweetness from every plant that grows in the expanse of information, and

"Sips the nectar from each varying bloom."

Poetry sprinkles with celestial moisture, and strews with flowers the more rugged paths of learning, facilitates the progress of the enquirer in ascending the hill of science, and refines the taste for the beautiful and sublime. It gives humour to gravity, lustre to wit, vivacity to wisdom, beauty to genius, majesty to expression, life to conversation and harmony to the soul; it weaves a garland for kings, wreath for conquerors and a laurel for heroes; kindles its divine flame at the throne of God—breathes its heavenly voice into his sanctuary—wraps the attentive soul in wakeful melody, and loosens the trembling tongue to sing His praise,

"Who gave the tongue to speak, the thought to soar,

And the soul to be."

ANON.

فہرست مضامین "باغِ نشاط"

اِنتساب

بنی نوعِ انسان کے ہر اُس فرد کے نام جو اپنے

صاف ستھرے اور اونچے درجہ کے خیالات کو عمل میں لانے اور اُن کو

سیدھے سادے لیکن مختصر اور پُرمعنی الفاظ میں

پیش کرنے کا شائق ہو

گل کے قدموں سے یہاں سبزہ لگا رہتا ہے
آشنا سے نہیں اس باغ میں بیگانہ جدا

باغِ نشاط

کی صورت کلامِ گلشن نے اختیار کی

اُن سخن دانان و قدر شناسانِ سخن کی روزانہ فرمائش پر

جو راستی کے رنگ میں رنگے ہوئے اور اُس کے شیدا و دل دادہ ہیں

اُنھیں کے دلی ذوق و شوق کو پورا کرنے کی غرض سے

یہ رنگین بیاض بطور پیشکش

حاضر ہے

ع

گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

گلشن

"سرسوتی نواس"
۱۸-البرٹ روڈ۔ الہ آباد۔

تقریب

رقمزدۂ صدر نشینِ بزمِ سخن واقفِ رموزِ علم و فن
عالی جناب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو بالقابہٗ

دیوان رادھے ناتھ کول صاحب متخلص بہ گلشن کی خدمت میں مجھے بیس برس سے شرف نیاز حاصل ہے اس سے قبل میں سُنتا تھا کہ آپ پنجاب کے ایک سربرآوردہ بزرگ ہیں جن کی قدر و منزلت پنجاب میں نہ صرف اُن کے خاندان کے اعزاز کی وجہ سے ہوتی ہے بلکہ اُن کے اُس صحیح مذاق کی وجہ سے بھی ہوتی ہے جو کہ آجکل عموماً بہت کم پایا جاتا ہے۔ جیوں جیوں آپ سے رشتۂ محبت مضبوط ہوتا گیا اور بے تکلفی کے مراسم بڑھتے گئے۔ آپ کے ذوقِ ادب، پاکیزہ خیالات، سخندانی و سخن سنجی و بزرگانہ خصائل کا اندازہ مجھے ہونے لگا۔ چنانچہ اب میں نہایت صدق دل سے کہہ سکتا ہوں کہ فی زمانہ ہندوؤں میں ایسے سخنداں و سخن سنج جیسے کہ دیوان صاحب ہیں بہت کم نظر آئیں گے۔ آپ کی تعلیم لاہور میں اُس زمانے میں ہوئی جبکہ فرقہ وارانہ بدمزگیوں نے زندگی کو تلخ نہیں

کر دیا تھا۔ ہندوؤں کے شریف خاندانوں میں فارسی اور اُردو کی تحصیل زندگی کا بیش بہا زیور سمجھی جاتی تھی۔ آپ مجھ سے عمر میں برس سوا برس چھوٹے ہیں میری نگاہ میں بھی اس زمانے کا نقشہ جما ہوا ہے' انگریزی پڑھنا تو اُس وقت اس وجہ سے مروّج ہوتا جاتا تھا کہ بغیر انگریزی پڑھے کام نہیں چلتا تھا۔ مگر فارسی کا رواج صدہا سال سے قائم تھا بغیر فارسی اور اُردو پڑھے ہوئے کسی شخص کی تعلیم مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی اور یہ صدائیں جو آجکل سُنی جا رہی ہیں اُس وقت سننے میں آتی ہی نہیں تھیں چنانچہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اُس زمانے میں کسی ہندو گھر میں یہ سُنا ہو کہ اُردو غیر مُلک کی زبان ہے۔ مگر اس وقت یہ صدا چند طبقوں میں بلند ہو رہی ہے جس کی وجہ سے یہ خوف ہے کہ رہی سہی صاحب سلامت جو ابھی اکثر مقامات پر ہندو مسلمانوں میں باقی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ میں تو یہ اعتراف کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ دیوان صاحب بھی اپنے بارے میں اسی کے معترف ہوں گے کہ اُردو میری زبان ہے اور میرے باپ دادا کی زبان تھی۔ اور میں ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ غیر ملک کی زبان سمجھ کر ہم لوگ اس کو ہندو طبقے سے خارج کر دیں۔ چنانچہ میں بہت خوش ہوں کہ اس وقت بھی باوجود اُن بدمزگیوں

کے جو ہماری قومی زندگی پر حاوی ہو رہی ہیں کچھ ایسے ہندو ابھی تک موجود ہیں جو اُردو سے مغایرت نہیں کرتے بلکہ اُس کی خدمت کر رہے ہیں۔ ایسے حضرات کی جماعت میں دیوان صاحب ممدوح کا شمار صفِ اوّل میں ہوگا۔ اس بیس پچیس برس کے عرصے میں جب سے دیوان صاحب نے الہ آباد کو اپنا مسکن و مستقر بنالیا ہے جو خدمات ترقی اُردو کے سلسلے میں آپ نے کی ہیں یہ کہنا شامل مبالغہ نہ ہوگا کہ آپ الہ آباد میں ادب اُردو کے روح و رواں ہیں۔ کوئی معرکۂ آرا مشاعرہ نہیں ہوتا کہ جس میں آپ صدر نہ ہوں۔ ایسے ایسے ماہرانِ فن جیسے کہ حضرتِ نوحؔ، حضرتِ ہادیؔ، حضرتِ ضامنؔ ہیں متمنّی اور مُصر ہوتے ہیں کہ دیوان صاحب ہی صدارت قبول فرمائیں۔ الہ آباد میں جو "انجمن روحِ ادب" قائم ہوئی ہے اور اُس کے لئے ایک تعمیر بنانے کی تجویز کارکنانِ انجمن کے روبرو پیش ہے اُسکے لئے ایک خاصی رقم فراہم ہوگئی ہے اور اُس رقم کی ایزاد کی کوشش جاری ہے۔ آپ اس انجمن کے اعزازی خزانچی ہیں اور میں ذاتی علم سے کہہ سکتا ہوں کہ جسقدر دلچسپی دیوان صاحب اس انجمن کی ترقی کے امور میں لیتے ہیں اُس قدر دلچسپی میرے لئے حالانکہ مَیں اُس کا صدر رہوں، غیر ممکن ثابت ہو رہی ہے۔

اب میں دیوان صاحب کے ذاتی اوصاف کی نسبت کچھ عرض کروں گا۔ آپ نہایت بادضع، خوش خلق بزرگ ہیں۔ باوجودیکہ آپ اپنے عقیدے پر نہایت استحکام کے ساتھ قائم ہیں اور اپنی روزانہ زندگی میں آپ اُن قیود کے پابند ہیں جو کہ پُرانی وضع کے ہندوؤں میں ہمیشہ جاری رہے ہیں آپ کے تعلقات مسلمان حضرات سے نہایت شگفتہ ہیں۔ مشترک علمی ذوق نے ایک رشتۂ اتحاد قائم کر دیا ہے کہ جس نے مَن وتو کا فرق مٹا دیا ہے۔ ایسی ہستیاں غنیمت ہیں اور انھیں کی وجہ سے اُن تمام سیاسی گناہوں کا جن کے ہم سب مُرتکب ہیں تھوڑا بہت کفّارہ ہو جاتا ہے۔

راست بازی، خدا ترسی دیوان صاحب کا شیوۂ زندگی ہے۔ آپ کا عملِ زندگی حافظ کے اس مصرع پر ہے۔ ع

"با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا"

جیساکہ آپ کے ایک شعر سے ثابت ہے جسے میں یہاں لکھتا ہوں۔ آپ کی زندگی کا سچّا نقشہ ہے ؎

دوست کے ساتھ بُرائی کا بھلا ذکر ہے کیا
ہم سے اغیار کی بھی خاک اُڑائی نہ گئی

آپ کی شاعری گُل و بلبل سے وابستہ نہیں اور نہ اُس میں دخترِ رز کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ آپ تصوّف میں ڈوبے ہوئے ہیں اور آپ کے اشعار پند و وعظ کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہو کر سامعین کے دل پر اثر پیدا کرتے ہیں۔ خیالات میں بلندی اور زبان میں سادگی، یہ آپ کے کلام کی دو بڑی خوبیاں ہیں جو آپ کے کلام میں ہر جگہ نمایاں ہیں۔ احباب کے اصرار پر اب جناب گلشنؔ اپنے کلام کا مجموعہ "باغِ نشاط" کے نام سے شائع کر رہے ہیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ ہر شخص جسے اُردو کے شعر و سخن کا ذوق ہے اس دیوان کو مطالعہ کر کے مسرّت حاصل کرے گا۔ اور شاعر کی سخن آفرینی، نازک خیالی اور زباں دانی کی داد دے گا۔ میں نے خود دیوان صاحب کا کلام آپ ہی کی زبان سے بارہا سُنا ہے لیکن پھر بھی مَیں منتظر اُس دن کا ہوں جب آپ کے دیوان کا ایک مطبوعہ نسخہ میرے ہاتھ میں ہو اور اُس کو پڑھتا جاؤں اور حضرتِ گلشنؔ کے حُسنِ کلام کی داد دیتا جاؤں۔

المختصر آپ کی ہستی مغتنمات میں سے ہے اور میں دست بہ دعا ہوں کہ آپ ادبِ اُردو کی خدمت کے لئے سالہا سال قائم و برقرار و خوشحال رہیں۔

۱۹۔ البرٹ روڈ الہ آباد
جمعہ ۸ جون ۱۹۴۵ء

تیج بہادر سپرو

پیش لفظ

از خامۂ فصاحت شمامۂ قدرشناسِ علم و فن عالی جناب دیوان بہادر راجہ نراندر ناتھ مدظلہ

ریٹائرڈ کمشنر لاہور (پنجاب)

دیوان رادھے ناتھ صاحب گلشن خاندانی شاعر ہیں یعنی شاعرانہ فطرت اِن کا موروثی وصف ہے۔ دیوان شِو ناتھ صاحب مُنتظر اُنکے پدرِ صلبی بلند پایۂ اُردو اور ہندی کے شاعر تھے۔ اُن کا ہندی کا کلام بالخصوص قابلِ مطالعہ ہے۔ راجہ دینا ناتھ صاحب دیوان شِو ناتھ صاحب کے ماموں بھی شاعرانہ مذاق و فطرت رکھتے تھے۔ دیوان امر ناتھ صاحب اکبرؔ فرزندِ اکبر راجہ دینا ناتھ صاحب فارسی کے بہت اعلیٰ درجہ کے شاعر تھے۔ دیوان مان ناتھ صاحب فرزندِ اصغر دیوان امر ناتھ صاحب بھی فارسی کے اچھے شاعر تھے۔ لہٰذا شاعری دیوان رادھے ناتھ صاحب کا خاندانی وصف ہے۔

دیوان رادھے ناتھ صاحب کا کلام زیرِ انطباع ہے۔ اور اِس وقت میرے زیرِ مطالعہ نہیں ہے۔ اِس کا اکثر حصّہ پُرانے زمانے کی شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ آجکل پُرانی شاعری پر جو نکتہ چینی کی جاتی ہے۔ وہ بیجا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ محض گُل و بُلبل اور بہار کے متعلق ہی اُس میں مضامین پائے جاتے تھے۔ یا بجز حُسن و عشق کے قصّے کے اُس میں اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ اس اعتراض میں بہت سے ضروری امور نظر انداز کئے گئے ہیں۔ اوّل یہ کہ تصوّف کے اعلیٰ مسائل کو پُرانے شاعر نہایت فصیح الفاظ میں بیان کرتے تھے۔ دویم اخلاق انسانی کے موعظت اور دُنیا کی ناپائداری کی نسبت وہ اعلیٰ خیالات ظاہر کرتے تھے۔ سویم انہماک ذاتی کی جو عشق کا لازمی عنصر ہے۔ وہ بہت اچھی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ اور اُنھیں بہت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

ایثارِ نفس سب بھلے کاموں کا جُزوِ اعظم ہے۔ نفسانیت اور انانیت بیخ و بُنیاد سب بُرائیوں کی ہے۔ اس کے استیصال پر پُرانے شاعر بہت زور دیتے تھے۔ حب وطن اور قوم کی محبت ایثار نفس اور ذاتی انہماک

کے بغیر ناممکن ہے۔ پس پرانے شاعروں کے کلام میں حب وطن اور محبت قومی محتوی ہوتی تھی۔

دیوان رادھے ناتھ صاحب طبعاً عاشق مزاج نہیں ہیں۔ اس لئے اُن کے کلام میں یہ اعلیٰ مضامین جن کا اوپر میں نے ذکر کیا ہے۔ بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں۔ تصوّف کے اعلیٰ مسائل کو وہ بہت خوبی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ایثارِ نفس اور انہماکِ ذاتی پر بہت فصیح و بلیغ الفاظ میں زور دیتے ہیں۔ اگر اُن کا کلام اِس وقت میرے پیش نظر ہوتا تو میں اُس میں سے اعلیٰ درجے کی مثالیں اپنے قول اور رائے کی تائید میں پیش کرتا۔

بلند پایہ شاعر بالعموم فرقہ دارانہ میلان و رُجحان سے بری ہوتے ہیں۔ دیوان رادھے ناتھ صاحب اس کی ایک اعلیٰ مثال ہیں۔ چنانچہ اپنے کلام کو اُنھوں نے دو حصّوں میں تقسیم کیا ہے۔ اور اُن کو ایسی خوبی اور لطافت سے نامزد کیا ہے کہ ہر ایک میں سے سَن و تاریخ (ہندی۔ ہجری اور عیسوی) اخذ ہوتا ہے۔ یہ تاریخ کہنے کا مادہ فارسی شاعری سے ہی مخصوص ہے۔ حروفِ ابجد میں ہر ایک حرف کی تعداد

مقرّر ہے۔ فارسی الفاظ کو جو اُنہی حروف سے مشتمل ہیں۔ اِس خوبی سے وضع کیا جاتا ہے کہ اُن سے سن و تاریخ پیدا ہو۔

دیوان صاحب ہندوستان کے برگزیدہ شعراء میں سے تصوّر کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اوّل ہفتہ ماہ مئی ۱۹۳۳ء میں جب لٹریری لیگ لاہور نے دیوان صاحب کو الہ آباد سے مدعو کیا تو اُن کا استقبال دھوم دھام سے کیا گیا اور مشاعرہ زیرِ صدارت خان بہادر سر عبدالقادر جج ہائیکورٹ لاہور منعقد ہوا جس میں کرنل بھولا ناتھ۔ علامہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی اور مولانا تاجور نجیب آبادی وغیرہ نے اپنا اپنا کلام سُنایا تھا۔ نیز لاہور میں جو دیگر مشاعرے ہوتے رہے اُس میں بھی دیوان صاحب کی شمولیت بڑے تزک و شان سے ہوئی اور اُنکے کلام کی بڑی قدر ہوئی۔

مجھے یقین واثق ہے کہ دیوان صاحب کے کلام کی اس زمانہ کی پبلک میں جو اُردو یا فارسی شاعری سے ایسے مانوس نہیں جیسے کہ میرے ہمعصر تھے یا ہیں۔ پوری پوری قدر کی جائے گی۔

"رشی بھون"، سرینگر (کشمیر)
۹ راگست ۱۹۴۴ء

نرا‌ئن رناتھ

تعارف

از ناخدائے سخن تاج الشعرا فصیح العصر حضرت مولانا مولوی محمدؐ نوح ساکن نارہ ضلع الٰہ آباد

جانشین حضرتِ داغ مرحوم دہلوی

یہ میری واقفیت سے دُور نہیں کہ اب زمانے میں کچھ دنوں سے یہ دستور ہوگیا ہے جب کوئی نئی تصنیف یا تالیف طبع ہوتی ہے تو مصنّف یا مولّف کے ہم خیال اظہارِ خیال کرتے ہیں میں اس کو بڑی حد تک مناسب اس سبب سے جانتا ہوں کہ اگر مصنف یا مولف اپنے کلام یا اپنی کتاب کے متعلق کچھ لکھے تو خود سرائی میں داخل ہے بہتر طریقہ یہی ہے کہ دوسرا شخص اپنے خیالات کا اظہار کرے۔ اس مجموعۂ کلام اور مجموعۂ کلام کے مصنف کے متعلق علاوہ اور صاحبوں کے عالیجناب رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو مدظلہٗ اپنی گراں قدر رائے کا اظہار فرما چکے ہیں ان تحریروں کے ہوتے ہوئے میں کیا اور میرا خیال کیا مزید کسی اور مضمون کی ضرورت تو نہ تھی لیکن ایک زبردست قوت میرے دل میں ایک ہیجانی

کیفیت پیدا کر کے بار بار یہ کہہ رہی ہے کہ بہت کچھ یا کچھ ضرور لکھو بہت کچھ کا قصہ تو بہت کچھ ہے لیکن کچھ لکھوں گا اور اسی کچھ کو بہت کچھ جاننا چاہئے۔

جناب دیوان پنڈت رادھے ناتھ صاحب کول گلشنؔ خلف جناب دیوان پنڈت شونا تھ صاحب کول منتظرؔ نبیرہ عالی جناب دیوان پنڈت شنکرناتھ صاحب کول مُہرلالی رئیس اعظم لاہور کی ہستی محتاج تعارف نہیں ان کو جاننے والے جاننے کی طرح جانتے ہیں۔ شعر و شاعری کا ازلی شوق یہ اپنے ساتھ لائے نظم میں کوئی شاخ نہیں جس میں ان کے قلم سے پھول نہ لپکے ہوں غزل قصیدہ قومی نظمیں تاریخی قطعے کسی میں ان کی طبیعت عاجز نہیں۔ لاہور کا حال تو نہیں معلوم ہو سکا مگر ۱۹۲۱ء سے اپنے زمانۂ قیام الہ آباد میں انھوں نے متعدد اپنے مصارف خاص سے ایسے ایسے عظیم الشان مشاعرے کئے جن کا جواب نہیں تمام مشاہیر اور اساتذہ ہندوستان کو ایک مرکز پر جمع کر دینا انھیں کا کام تھا ذوقِ سخن اس قدر ہے کہ مقامی اور غیر مقامی کوئی مشاعرہ حتی الوسع ترک نہیں فرماتے اور بوجہ واقف کاریِ فن کے لوگ انھیں کو بیشتر صدارت کے لئے تجویز کرتے ہیں اور ان کی شخصیت بھی اسی اعزاز کی مستحق ہے انھیں کے اہتمام

اورسعی بلیغ سے "بہارِ گلشنِ کشمیر" کی دو با تصویر ضخیم جلدیں شائع ہوئیں جن میں کشمیری پنڈتوں کے کلام مع سوانح حیات کے تمام وکمال درج ہیں۔ ان کتابوں کے شائع ہونے سے بہت سے گمنام شعرا روشنی میں آگئے۔ یہ "باغِ نشاط" انھیں کا دیوان ہے جس کے کئی حصّے ہیں اور ہر حصّہ ایک خاص عنوان سے مزین ہے اس دیوان میں آپ عریاں جذبات تہذیب سے گرے ہوئے مضامین تلاش کرنے پر بھی نہ پائیں گے تصوف کے مسائل، اخلاق کے سبق، دنیائے ناپائدار کے عبرت ناک مناظر، وحدانیت کے مرقع، بزرگانہ پند و نصایح کے اصول وضوابط، بکثرت ملیں گے بعض بعض شعر پر تو سُننے والوں کو حیرت ہوتی ہے کہ کیوں کر یہ مضمون ہاتھ آیا اور اسکے ادا ہونے کے لئے الفاظ کہاں سے ملے۔ ممکن ہے اکثر کم بیں میرے اس قول کو صداقت کی آنکھوں سے نہ دیکھیں مگر جب کلام نگاہوں سے گذرے گا تو انھیں اپنی جگہ خجالت ہوگی دُور جانے کی ضرورت نہیں اب دیوان شائع ہو رہا ہے لوگ دیکھیں اور جانچیں کہ میری بات کہاں تک صحیح اور درست ہے۔

گلشن صاحب کی تخیل سب سے الگ اور عام مذاق سے بالاتر ہے سامنے کے مضامین کہیں گے لیکن ایسے الفاظ میں کہیں گے جن کا اثر براہ راست دل پہ

ہو شاعری کی خوبی یہ نہیں کہ خاص طبقہ ہی لطف اندوز ہو اور عام لوگ لطف سے محروم
رہیں محاسنِ شعر میں اس کی ضرورت ہے کہ مضمون بلند ہو مگر الفاظ روزمرہ کے ہوں
پڑھنے والے اور سُننے والے مزا لے کر پڑھیں اور سنیں اور بڑی حد تک شعر کا اثر بھی ہو۔
جب تبصرہ کی نوبت آگئی تو جی یہی چاہتا ہے کہ شرح و بسط کے ساتھ بیش تر
اشعار منظرِ عام پر لائے جائیں اور ہر شعر کی خوبیاں دکھاؤں لیکن کچھ تو طوالت کا
خیال اور کچھ گلشن صاحب کی جلدی یہ دونوں باتیں مجھے مجبور کرتی ہیں کہ میں چند
شعروں کے متعلق اپنی ناقص رائے کا اظہار کروں پڑھنے والے جس وقت اس
دیوان کو غور سے پڑھیں گے مجھے یقین ہے کہ اُن کو ایسا شعر کوئی نہ ملے گا جس میں
کوئی نہ کوئی بات نہ ہو ہر شعر اپنی آغوش میں فصاحت و بلاغت کا ایک بحرِ ذخار
رکھتا ہے جس میں سیکڑوں موجیں انگڑائیاں لے رہی ہیں۔

یہ عام قاعدہ ہے کہ ہر کتاب کے آغاز میں حمد کے مضامین ہوتے ہیں چنانچہ اس
کتاب میں سب سے پہلے اس مطلع کو ملاحظہ کیجئے۔

(۱) کیوں الگ تجھ سے رہے چاہنے والا تیرا
ایک ہی رنگ ہو جس میں نہ ہو میرا تیرا

غزل کہنے والا پہلے قوافی منتخب کرتا ہے پھر شعر کہتا ہے اس مطلع میں میرا تیرا دو ایسے الفاظ آئے ہیں جن کی تعریف نہیں ہو سکتی پھر پہلے مصرعہ کی مناسبت سے طریقۂ یک رنگی کس خوبی کے ساتھ دوسرے مصرعہ میں بتایا ہے جس میں نہ ہو میرا تیرا اس ٹکڑے پر غور فرمائیے اور لطف اُٹھائیے۔

اس غزل کے بعد دوسری وہ غزل سامنے آتی ہے جو مجھے بے حد پسند ہے پہلے پہل جب میں نے یہ غزل سُنی تو مجھے اس قدر اچھی معلوم ہوئی کہ میں نے ہر شعر پر مصرعہ لگا کر خمسہ کر دیا ممکن ہے کوئی صاحب نہ سمجھ سکیں اس لئے مطلع بھی لکھے دیتا ہوں۔

(۲) نفس اگر اسرارِ حق سے آشنا ہو جائے گا

اُس کا میں ہو جاؤں گا اور وہ میرا ہو جائے گا

اِس غزل کا کوئی شعر ایسا نہیں جو قابلِ داد نہ ہو۔

(۳) وقت ہوتا ہے ہر اک کام کے ہو جانے کا

غنچہ کے کھلنے کا اور پھول کے کمھلانے کا

وہ بات کہی ہے جو فطرت کے مطابق ہے اس خوبی کے علاوہ کس قدر موزوں الفاظ

ادائے مطلب کے لئے ملے ہیں اس سے زیادہ شعر میں اور کیا سلاست ہو سکتی ہے پہلے غنچہ کھلتا ہے پھر وہی غنچہ پھول ہو کر مرجھاتا ہے لیکن یہ سب مرحلے اپنے اپنے وقت پر طے ہوتے ہیں اب پھر ذرا مطلع کو پڑھئے۔

(۴) دو روزہ زندگی کا عیش و عشرت میں گذر جانا

یہ ایسا کام تھا جس کو کیا لیکن نہ کر جانا

اس زمین میں کئی مقاموں پر مشاعرے ہوئے میری بھی غزل ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دو ایک شعر اور لوگوں کے بھی لکھ دوں کہ اس مطلع کی خوبیوں کا اندازہ آسانی سے ہو سکے۔

بیخود دہلوی

بہت دشوار تھا میدانِ ہستی سے گذر جانا　　بڑی مشکل سے سیکھا عمر بھر میں ہم نے مر جانا

سراج الٰہ آبادی

دم آخر نکھر کر آئے تم میری عیادت کو　　جو ممکن ہو تو میرا بھی سنورنا دیکھ کر جانا

بیباک شاہ جہاں پوری

کہیں اپنی نگاہیں آشنائے غیر ہوتی ہیں　　تمھیں دیکھا اگر دیکھا تمھیں جانا اگر جانا

یز

لاعلم

جو اچھے لوگ ہیں اُن کا زمانے سے گذر جانا　　یہ ثابت کر رہا ہے کوئی اچھی شے ہے مر جانا

نوحؔ ناروی

کسی کے عشق میں بے لطف جینا در دِ سر جانا　　بتایا غم نے مر جانے سے پہلے ہم کو مر جانا

اِن اشعار کو دیکھنے کے بعد اب گلشنؔ صاحب کے مطلع کو دیکھنا چاہیئے دو روزہ زندگی کو عیش و عشرت میں گذرنا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہ ہوا یہ ایسا کام تھا جس کو کیا لیکن نہ کر جانا یہ (نہ کر جانا) کس قدر پر لطف ٹکڑا ہے کرنا نہ کر جانا کا دوسرا لطیف پہلو ہے اس نہ کر جانے کو سوا واقفِ زبان کے اور دوسرا کوئی اس خوبی کے ساتھ نہیں لکھ سکتا اسی ترکیب کو غالبؔ نے یوں لکھا ہے ؎

ایک ہم ہیں کہ دیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ　　ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

بنانی آتی ہے حقیقت میں یہ فقرہ یوں ہے لیکن بنا آتی ہے یہ صورت زبان سے متعلق ہے اور قابل تحسین و داد ہے جو زباں دان یا اہل زبان ہوں گے سچّی قدر وہی کریں گے۔

(۵) مکانِ عنصری ہم کو ملا تھا عارضی لیکن
ہمیشہ کے لئے ہم نے اسی کو اپنا گھر جانا

مکان کے لئے چار دیواری کا ہونا ضروری ہے آب آتش خاک باد انھیں چار عنصر سے انسان کا وجود ہے مکانِ عنصری جسم کو قرار دے کر پھر اس کو عارضی کہنا جو حقیقتاً عارضی ہے یعنی نہیں معلوم موت کے ہاتھوں سے یہ عمارت کب گر جائے کس قدر مناسب خیال ہے انسان یہ جانتے ہوئے کہ ہمیشہ مجھے دنیا میں رہنا نہیں دنیاوی جھگڑوں میں مبتلا رہتا ہے یہ شعر کہہ کر حقیقت کو پیش کیا گیا ہے اور بڑی حد تک توجہ دلائی گئی ہے کہ مکان عنصری جو عارضی ہے اُس کو ہمیشہ کے لئے اپنا گھر جان لینا ایک لغو سی بات ہے۔

(۹) ذوقِ ہستی چار دن کا ایک جھوٹا جوش تھا

ساری دنیا نغمہ خواں تھی اور میں خاموش تھا

جو لوگ ہستی کے سامنے نیستی کا خیال نہ کرتے تھے وہ تو چار دن کی زندگی پر خوشیاں منا رہے تھے لیکن میں انجامِ ہستی سے باخبر تھا اور یہ جانتا تھا کہ کبھی نہ کبھی یہ نیستی سے بدل جائے گی اس لئے مجھے خاموشی تھی اس مضمون کے ادا کرنے کو کیا اچھے اچھے الفاظ ملے ہیں سارا مطلع بندش کے لحاظ سے کس قدر چست ہے کوئی لفظ کہیں سے اُٹھ نہیں سکتا پہلے مصرعہ میں چار دن کے ذوقِ ہستی کو ایک جھوٹا جوش قرار دینا بڑے لطف کی بات ہے مضمون کا دماغ میں آنا اور اُسکا لفظوں میں ڈھل جانا آسان بات نہیں۔

(۷) خود جو گم راہ ہے کیوں کر ہو کسی کا رہ بر

دیکھا اندھے کو نہ اندھے کا نگہ باں ہونا

کتنی سچی بات ہے اندھے کو اندھا رستے پر نہیں لے جا سکتا حالانکہ سامنے کی بات ہے مگر اب تک کہیں نہ سنی تھی پھر دوسرے مصرعہ میں اندھے کی رعایت (دیکھا) کو بھی دیکھئے پہلے مصرعہ کا ثبوت دوسرے مصرعہ میں بہت حسن کے ساتھ موجود ہے۔

(۸) جیسی گذر رہی ہے اُسے جانتا ہوں میں

کیا پوچھتے ہو حالتِ دل بار بار آج

یہ قاعدہ کی بات ہے کہ جس پر جو کچھ گذرتی ہے اُس کا صحیح اندازہ وہی کر سکتا ہے دوسرے کو دوسرے کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا تم میرا حال بار بار کیا پوچھتے ہو میں اگر بتاؤں بھی تو تم نہ سمجھ سکو گے علاوہ اس کے بار بار اگر کسی سے حال پوچھو تو وہ بگڑ کر یہی کہے گا کہ جو کچھ مجھ پر گذر رہی ہے اُسے میں ہی جانتا ہوں اِس اندازِ بیان کی داد کہاں تک دی جائے۔

(۹) واقعاتِ زندگی ہیں نقشِ باطل کی طرح

کل جو گذرا تھا جہاں میں ہے وہ اک افسانہ آج

(۱۰) آتشِ غم پھونک دے گی سب ہری کشتِ امید

آہ کیا ہوگا اگر ابرِ کرم برسا نہ آج

یہ دونوں شعر ایک ہی غزل کے ہیں پہلے شعر کو دیکھئے اس میں کوئی شک نہیں کہ جو واقعہ ہوتا ہے وہ کچھ دنوں کے بعد افسانہ ہو جاتا ہے واقعہ اور افسانہ میں جو معنی کے لحاظ سے فرق ہے وہ پوشیدہ نہیں صحیح بات کہانی بن جاتی ہے جس کا واقعہ ہوتا ہے وہ جب نہیں رہ جاتا تو اور لوگ ایک زمانہ گذر جانے پر سُنی سُنائی بات کے لحاظ سے اُس واقعہ کو قصہ کی صورت میں سمجھنے ہیں اتنے بڑے مضمون کو بڑی خوبی سے صرف دو مصرعوں میں ادا کرنا قابلِ لحاظ ہے پہلے مصرعہ میں واقعاتِ زندگی کے لئے نقشِ باطل بھی خوب ہے۔

دوسرے شعر کا مفہوم یہ ہے کہ زراعت کے لئے لازم ہے وقت پر بارش ہو آب پاشی کے ذریعہ موجود ہوں اگر یہ صورتیں نہ ہوتیں تو زراعت خشک ہو جانے گی چوں کہ یہ کشت محض کشت نہیں کشتِ امید ہے اس لئے صرف آتش نہیں کہا بلکہ آتشِ غم کہا ہے اور انھیں وجوہ سے صرف ابر نہیں کہا ابر کرم کہا ہے یہ ایک ایسی خوبی اس شعر میں ہے کہ کیا داد دی جائے پھر (آہ کیا ہوگا) اس ٹکڑے کو دیکھنا چاہیئے اس جگہ یہ الفاظ نہیں

کہے گئے بلکہ موتی پر دئے ہیں ایسے موقع پر بے تامل یہی الفاظ مُنہ سے نکلتے ہیں افسانۂ آج پیمانہ آج ان قوافی کے ساتھ برساتہ آج کس بہتر صورت میں اس قافیہ کو پیش کیا گیا ہے۔

(۱۱) یہ عقیدہ ہے ہمارا اس میں کوئی شک نہیں
بارہا مرتے ہیں - پیدا بارہا ہونے کے بعد

یہ تناسخ کا مسئلہ ہے اواگون کو سب جانتے ہیں پہلے مصرعہ میں عقیدہ کہا ہے اور عقیدہ کے لئے ضروری ہے کہ شک وشبہہ نہ کیا جائے اگر شک وشبہہ کیا گیا تو وہ عقیدہ عقیدہ نہیں سارا تناسخ دوسرے ایک مصرعہ میں موجود ہے۔

(۱۲) کارخانے جو خدا کے ہیں سمجھتا ہے وہی
کس کو یہ معلوم ہے کیا ہو گا کیا ہونے کے بعد

اس شعر میں سامنے کی بات کہی گئی ہے میں اس کی اور خوبی نہیں دکھانا چاہتا صرف زمین کو دیکھ کر اس ٹکڑے کو دیکھ لیجئے کیا ہو گا کیا ہونے کے بعد خدا ہونے کے بعد آشنا ہونے کے بعد پھر کیا ہو گا کیا ہونے کے بعد سبحان اللہ سبحان اللہ یہ الفاظ نہیں نگینے ہیں۔

(۱۳) خونِ حسرت نہ کر دتم کو محبت کی قسم

دل میں آجاؤ مرے دل کی تمنا ہو کر

یہ عاشقانہ رنگ کا شعر ہے خونِ حسرت نہ کرو اس کے لئے محبت کی قسم دی جاتی ہے حسرت کے لحاظ سے محبت کی قسم پھر خونِ حسرت اور قسم دینے کا مطلب ہے کہ دل میں تو آؤ مگر یوں نہ آؤ بلکہ دل کی تمنا ہو کر آؤ تمنا کا تعلق جو دل سے ہے وہ پوشیدہ نہیں عاشق کی تمنا کا نکلنا ناممکن ہوتا ہے یعنی دل میں آؤ تو تمنا کی طرح نہ نکلو بلکہ ہمیشہ دل میں رہو۔

(۱۴) نتیجہ یہ ہے اسرارِ نہاں کی واقفیت کا

دہن پر مُہرِ خاموشی لگی ہے باخبر ہو کر

یہ اُس غزل کا شعر ہے جس کو اپنے مشاعرے میں گلشن صاحب نے پڑھا تھا سنئے درحقیقت جو اسرارِ الٰہی سے باخبر ہو جاتے ہیں اُن کا عجب عالم ہوتا ہے کہ وہ جانتے تو سب کچھ ہیں مگر زبان سے ظاہر نہیں کرتے دہن پر افشائے راز کے خیال سے مُہر لگ جاتی ہے اور اس مہر لگنے کا یہ مطلب ہے کہ خاموش رہو۔

(۱۵) کل کی اگر خبر ہو تو مر جائیں آج ہی

بہتر ہے بے خبر رہیں اس آگہی سے ہم

کتنی معقول بات کہی گئی ہے کسی شخص کو اگر معلوم ہو جائے کہ میں کل مر جاؤں گا تو اُس کے لئے کل تو بہت دور ہے وہ متردد و مغموم ہو کر آج ہی مر جائے گا اسی مصلحت سے خدا نے کسی طرح اس راز کو ظاہر نہ ہونے دیا میں نے ایک شخص کی زبانی سُنا ہے اور قیاس بھی اس کی تردید نہیں کرتا ایک مجرم کو سزائے موت کا حکم کسی حاکم کے اجلاس سے سنایا گیا وہ مرا تو نہیں لیکن دو چار ہی روز میں اُس کے سارے بال سفید ہو گئے حالاں کہ وہ نوجوان تھا لہذا دوسرے مصرعہ میں یہی کہا گیا ہے کہ ایسی آگہی سے ہمارا بے خبر ہی رہنا اچھا ہے جو وقت سے پہلے ہلاکت کی باعث ہو جائے۔

(۱۶) جب ہاتھ دھو کے بیٹھے ہیں دنیا میں دیں سے ہم

ہیں تو سہی جہاں میں مگر ہیں نہیں سے ہم

اس شعر کا مفہوم دوسرے الفاظ میں یوں ہے کہ جب دنیا میں دین سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں تو ہمارا وجود و عدم دونوں برابر ہے مگر یہ سیدھا سا مطلب کن خوب صورت

لفظوں میں اور حسن بندش کے ساتھ ادا کیا گیا ہے کہ ابھی تو کسی جہاں میں گر بہی نہیں ہے ہم
مگر ہیں نہیں سے ہم اِس بلاغت پر طبیعت بے ساختہ داد دینے پر مجبور کرتی ہے اور
داد دینی ہی پڑتی ہے۔

(۱۷) خود جال ہم بنا کے پھنسے مثل عنکبوت
باندھے نہیں گئے نہ بندھے ہیں کسی سے ہم

جیسی کرنی ویسی بھرنی ہم جو طرح طرح کے عذاب میں مبتلا ہیں یہ اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے نہ کسی نے ہم کو باندھا نہ کسی سے ہم بندھے عنکبوت کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ہی جال میں پھنس کر مبتلائے غم و آزار رہے اس مضمون کو دوسرے لفظوں میں جناب اکبر الہ آبادی نے بھی یوں فرمایا ہے ؎

اپنی منقاروں سے پھندا کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

لیکن نفس مطلب دونوں شعروں کا جدا جدا ہے۔

(۱۸) مجھ کو دنیا سے فقط یہ رہ گیا ہے واسطہ
وہ لہو پیتی ہے میرا اُس کا غم کھاتا ہوں میں

دنیا سے فقط یہ واسطہ رہ گیا ہے فقط کا لفظ قابل غور ہے خدا جانے کتنی باتیں اس ایک لفظ میں پوشیدہ ہیں جب انسان چاروں طرف سے مایوس ہو کر مجبور ہو جاتا ہے سارے حوصلے پست ہو جاتے ہیں تمام دنیا کی امیدیں مٹ جاتی ہیں تو اُس کا کوئی اور کام علاوہ اس کے نہیں ہوتا کہ اُس کا لہو خشک ہوتا رہے اور وہ تمام عمر غم کھاتا رہے اس شعر کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میرا لہو پیتی ہے اور میں اُس کا غم کھاتا ہوں فقط اتنا ہی تعلق ہے کہ میں دنیا میں ہوں اور اس ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ وہ میرا لہو پئے اور میں اُس کا غم کھاؤں اس کھانے پینے سے شعر میں خاص لطف پیدا ہو گیا۔

(۱۹) ایک وہ ہیں ملنے والوں سے کبھی ملتے نہیں

ایک میں ہوں مجھ سے جو ملتا ہے مل جاتا ہوں میں

شاعری میں دو لخت جو شعر ہوتے ہیں وہ نہ پسند کئے جاتے ہیں نہ معنوی اعتبار سے انھیں اونچی جگہ ملتی ہے لیکن یہ شعر اس معیار سے بلند تر ہے دو شکلیں دو صورتوں میں سامنے ہیں یعنی ایک وہ ہیں جو کسی سے نہیں ملتے ایک میں ہوں کہ ملنے والے سے بے تامل مل جاتا ہوں در پردہ نہ ملنے والے کو یہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ بھی میری طرح ملنے والے سے ملے۔

(۲۰) سُن لے یہ رازِ دو جہاں مصرعۂ زرنگار ہیں   صورتِ ہستی و فنا دل کی ہے جیت ہار میں

(۲۱) ذکرِ خدا کی فکر میں صرف ہوئی نہ اک گھڑی   عمر گذر گئی تمام وقت کے انتظار میں

(۲۲) رنگِ جہاں بدل گیا گلشنِ بے خبر یہ دیکھ   بات ہی کچھ بہار کی اب نہ رہی بہار میں

اخلاقی نصایح کی کوئی حد نہیں تین شعروں میں ایک اچھی خاصی حقیقت ہے تمام زندگی کی تصویریں ایک مختصر سے نگار خانہ میں نظر آجاتی ہیں اِن تینوں شعروں کا تسلسل بھی قابلِ داد ہے متعدد کڑیاں ایک زنجیر سے منسلک ہیں اور یہ نہیں معلوم کہ کون کڑی کہاں سے منسلک کی گئی ہے نظم یا مسلسل اشعار کی خوبی یہی ہے کہ ایک شعر کا ربط دوسرے سے اس طرح ہو کہ جوڑ نہ معلوم ہو سکے۔

(۲۳) کہتا ہے کون جلوۂ وحدت عیاں نہیں
لیکن بیان کرنے کے قابل زباں نہیں

یہ سب جانتے ہیں کہ ہر جگہ وحدت کا جلوہ ہے ذرہ ذرہ میں انوارِ الٰہی موجود ہیں مگر اِس کی شرح آسان نہیں کہاں ہیں کس جگہ ہیں اور اگر ہیں تو کیوں ہیں بعض مقبول بندے ایسے بھی ہیں جنھوں نے روحانی قوت سے اپنے کو کسی حد تک قربِ اسرارِ خداوندی تک پہنچا دیا ہے لیکن اُن کی زبان بھی اس قابل نہیں کہ وہ ان رموز کو

بیان کر سکے ع اللہ کی باتوں کو بس اللہ ہی جانے، ایسے ہی موقعوں کے لئے یہ مصرعہ میں نے کبھی کہا تھا۔

(۲۴) تو مجھ کو نظر آئے میں تجھ کو نظر آؤں

اے مظہرِ کُل ایسا آئینہ دکھا مجھ کو

آئینے کا ایک ہی رُخ ہوتا ہے ایک ہی طرف دیکھنے والے کا عکس ممکن ہے آئینے کے دوسرے طرف کچھ بھی نہیں لیکن اس شعر کے کہنے والے کا مطلب دیکھئے وہ دنیا کے تمام معمولی آئینوں سے ایک ایسا مظہرِ کُل سے آئینہ چاہتا ہے جس میں مظہرِ کُل کا جلوہ وہ دیکھ سکے اور مظہرِ کُل اُس کو دیکھے جس قدر کوئی غور کرے گا اُس کو اُسی قدر اس شعر میں لطف آئے گا مظہرِ کل کا لفظ ایسا رکھا ہوا ہے جس کی مثال ممکن نہیں اس لفظ کی جگہ اگر اور کوئی لفظ رکھنا چاہے تو محال ہے۔

(۲۵) اچھا کہو بُرا کہو گلشن کو کیا غرض

خدمت سے اپنی کام ہے خدمت گذار کو

خادم کا کام کرنا یہی ہے کہ وہ ہر وقت خدمت کرتا رہے عام اس سے کہ وہ مخدوم کی نگاہوں میں قابل قدر ہو یا نہ ہو اس اظہار خیال کے لئے کتنے سادہ الفاظ ہیں۔

(۲۶) نااہل کو ہے عشق کے دریا میں خطر بھی

غوّاصِ خرد کو یہیں ملتا ہے گہر بھی

پہلے نااہل عشق کے دریا خطر غوّاصِ خرد گہر ان لفظوں کو دیکھ جائیے کیوں کہ اس شعر میں انھیں لفظوں سے دریا کو کوزے میں بند کیا ہے فی الحقیقت جو دریائے عشق کے نااہل ہیں یعنی اسرارِ عشق و رموزِ عشق سے نابلد ٹھہرے اُن کے لئے خطر بھی ہے کوئی مسافر اگر ایسی راہ میں قدم رکھے جہاں قدم قدم پر بھٹک جانے کا احتمال ہو اور مقاموں کی اوگھٹ گھاٹیوں سے واقفیت نہ ہو وہ یقینی کسی نہ کسی مصیبت میں پھنس جائے گا اور اگر کوئی غوّاصِ خرد یعنی امواج و تلاطم و طوفان کے تھپیڑوں سے باخبر اور تہ نشین ہو کر اُبھرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اُسی کو گہر مل سکتے ہیں۔

(۲۷) مطابق وقت کے چلتی نہیں دل کی گھڑی میری

جدا اُس کی خوشی مجھ سے الگ اُس سے خوشی میری

وقت کے مطابق دل کی گھڑی کا نہ چلنا کچھ عجب بات کہی ہے واہ رے وقت اور گھڑی پھر وقت کے مطابق اور دل کی گھڑی پہلے مصرعہ پر دوسرا مصرعہ ایسا واقع

ہوا ہے جو محتاج کسی مزید تشریح کا نہیں دل کی گھڑی کا وقت کے مطابق نہ چلنے کا ثبوت دوسرے مصرعہ میں خوب ہے۔

(۲۸) بحرِ رحمت سے اُٹھیں سیکڑوں طوفانِ کرم

کچھ دنوں قلزم عصیاں میں اگر جوش رہے

اِس شعر میں بحرِ رحمت طوفانِ کرم قلزم عصیاں خاص الفاظ ہیں بحر کے لئے رحمت طوفان کے ساتھ کرم قلزم کی رعایت سے عصیاں اگر یہ لفظی تناسب نہ ہوتا تو کوئی خوبی نہ تھی جب قلزم عصیاں میں جوش ہوگا یعنی گناہ حد سے بڑھ جائیں گے تو بحرِ رحمت سے سیکڑوں طوفانِ کرم بھی اُٹھیں گے یعنی سارے گناہ دھو جائیں گے اس شعر کے تسلسل بیان کی داد کہاں تک کوئی دے سکتا ہے۔

بیش تر کتابوں کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوا کہ جب دنیا فسق و فجور کبر و نخوت وغیرہ میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اُن کی رہبری اور ہدایت کے لئے اوتار اور پیمبر تشریف لاتے ہیں اور وہ کوشش کرتے ہیں کہ مخلوق ایسے کام نہ کرے جو گناہ سمجھے جائیں۔

(۲۹) فقط ہے سانس پہ موقوف نیستی ہستی

جو گھر ہوا پہ ہو کیا اس کا اعتبار مجھے

سانس کو ہوا قرار دینا اور نیستی و ہستی کو گھر جاننا نہایت مناسب ہے یعنی ہوا پہ گھر کا وجود جس طرح قائم نہیں رہ سکتا اُسی طرح نیستی و ہستی کا اعتبار نہیں جس کا تعلق سانس سے ہے پہلے مصرعہ کے لئے دوسرا مصرعہ اور دوسرے مصرعہ کے لئے پہلا مصرعہ آپس میں معنی کے اعتبار سے کس قدر دونوں دست و گریباں ہیں اور لطف پیدا کر رہے ہیں۔

(۳۰) نشاں اہلِ دول کے اب بھی باقی ہیں زمانے میں

مکاں کو دیکھ کر شانِ مکیں معلوم ہوتی ہے

شاہ جہاں کو مرے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا آج اُن کے وقت کا کوئی شخص زندہ نہیں جو یہ بتا سکے کہ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں کیا کیا خاص باتیں ہوتی تھیں سواری کس طرح نکلتی تھی دربار کیوں کر منعقد کئے جاتے تھے لیکن جامع مسجد لال قلعہ دہلی تاج محل آگرہ سے اس وقت بھی اُن کی شان و شوکت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے یہ وہ عمارتیں ہیں جن سے مغلیہ سلطنت کا وقار قائم ہے اور غیر ممالک کے لوگ دور دور سے

دیکھنے کو آتے ہیں اور دیکھ دیکھ کر محو حیرت ہو جاتے ہیں ان سب باتوں کا خلاصہ صرف دو مصرعوں میں موجود ہے۔

(۳۱) دنیا میں اگر دین سے ہشیار نہیں ہے
یہ جاگنا ایسا ہے کہ بیدار نہیں ہے

دنیا میں اُلجھ کر کوئی اگر رہ گیا اور دین کے فرائض سے غفلت کی تو اس کا دنیا میں رہنا نہ رہنے کے برابر ہے یہ ایسا جاگنا ہے جس کو بیداری سے نہیں تعبیر کیا جا سکتا اس مطلب کے ادا کرنے کو کیا اچھے الفاظ ہیں۔

(۳۲) تابعِ تقدیر ہوں زحمت کشِ تدبیر ہوں
میری آزادی بشکلِ قیدِ زنداں دیکھئے

بظاہر میں آزاد ہوں لیکن فی الحقیقت ایک طرح کا قیدی ہوں کیوں کہ قدرت نے مجھ کو تقدیر کا پابند کر دیا ہے اپنی تدبیر سے کوئی کام حسب خواہش نہیں کر سکتا جو تقدیر چاہتی ہے وہی ہوتا ہے اگرچہ میں تدبیر کی زحمت اُٹھاتا ہوں مگر تدبیر کی بنائی کچھ نہیں بنتی میری آزادی بشکلِ قیدِ زنداں دیکھئے الفاظ کی نشست حسن بندش اسلوب بیان میں بے حد دل کشی ہے۔

(۳۳) جس نے چڑھ کر دار پہ بیدار عالم کو کیا
اُس حقیقت آشنا کا بارِ احساں دیکھئے

اِس شعر کے دو رُخ اور دونوں خوب بلکہ بہت خوب ہیں جس پر احسان کیا جائے گا وہ یقینی اپنے محسن کا احسان مانے گا اور زیر بارِ احسان بھی ہو گا اِدھر مسلمان صاحبان منصور کا واقعہ یاد کریں اُدھر عیسائی حضرت عیسیٰ کے سانحہ کو نہ بھولیں منصور ہوں یا حضرت عیسیٰ ہوں دونوں کے لئے حقیقت آشنا کے دو لفظ کس قدر مناسب و موزوں ہیں دار کے ساتھ اگر منصور یا عیسیٰ کا نام آجاتا تو معنی محدود ہو جاتے اس صورت میں مسلمان اور عیسائی دونوں کے لئے ایک خاص لطف پیدا ہو گیا ہے ممکن ہے کہ دونوں پہلوؤں پر نگاہ ڈال کر یہ شعر نہ کہا گیا ہو مگر میرے دماغ میں بیک وقت دونوں خوبیاں آئیں اسی خیال سے میں نے یہ تشریح بھی کر دی۔

(۳۴) فطرت کسی انساں کی بدلتی نہیں ہرگز
اچھا ہے تو اچھا ہے بُرا ہے تو بُرا ہے

ایک حقیقت کو کتنے سادے الفاظ میں بیان کیا ہے دوسری خوبی یہ ہے کہ اس شعر کی نثر نہیں ہو سکتی کوئی اس بات کو اگر نثر میں کہنا چاہے تو ان لفظوں کے علاوہ دوسرے لفظ نہیں مل سکتے۔

(۳۵) سنو سازِ نفس کو اس سے کیا پیہم نکلتا ہے

جو تو ہے بس وہی میں ہوں یہی ہر دم نکلتا ہے

پہلے مصرعہ کی ردیف نہایت پُر لطف ہے جس کو شاعری کا مذاق سلیم ہوگا وہی اس کا لُطف اُٹھائے گا سازِ نفس سے کچھ نکلا بھی تو یہ نکلا کہ جو تو ہے وہی میں ہوں اِس راز کو حال وقال والوں سے کوئی پوچھے اگر کسی بزرگ کے عُرس میں کوئی قوال اس مطلع کو گائے اور کچھ وہاں اہلِ دل یا صاحبانِ تصوّف موجود ہوں تو میرا دعویٰ ہے کہ سب پر وجدانی کیفیت طاری ہو جائے۔

(۳۶) آنکھیں سو جائیں تو سو جائیں مگر ہنگامِ خواب

اک نہ اک حسنِ تصور جاگتے دل میں رہے

آنکھیں سو جائیں تو کوئی بات نہیں مگر سوتے وقت بھی جاگتے دل میں اک نہ اک حسنِ تصور رہے دل کی صفت (جاگتے) پھر پہلے مصرعہ میں ہنگامِ خواب علاوہ اِس کے آنکھیں سو جائیں ان سب لفظوں کو دیکھنے کے بعد معنی و مطلب کو دیکھنا چاہئے۔

(۳۷) تیرا جمال تیری تجلی ترا فروغ

ہر دم مری نظر کی یہی دیکھ بھال ہے

معنی اور تخئیل میں ضرور اختلاف ہے لیکن ترکیب کے لحاظ سے غالب کے اس شعر سے ؎

نیند اُس کی ہے دماغ اُس کا ہے راتیں اُس کی ہیں
جس کے شانوں پر تری زلفیں پریشاں ہوگئیں

یہ شعر بھی کم نہیں نظر کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا شغل ہو سکتا ہے کہ جمال دیکھے تجلی کا لطف اُٹھائے فروغ جمال و تجلی کا نظارہ کرے۔

(۳۸) محبت کا اندازہ ہے سخت مشکل
یہ وہ راز ہے جو سمجھ میں نہ آئے

محبت کے مراتب کا اندازہ کرنا اِس کے اسرار کا سمجھنا آسان بات نہیں یہ محبت ہی ہے جو بندے کو خدا سے ملا دیتی ہے یہ دو طرح کی ہوتی ہے جس کو مجازی یا حقیقی کہا جاتا ہے جب تک عشق مجازی کے مرحلے نہیں طے ہوتے اکثر یہ دیکھا گیا کہ لوگ عشق حقیقی تک نہیں پہنچے مگر یہ کلیہ نہیں اس میں طرح طرح رنج وغم عیش و نشاط کے مناظر سامنے آتے ہیں غرض یہ وہ گورکھ دھندا ہے جو فہم انسانی میں نہیں آسکتا اس شعر میں یہی باتیں بتائی گئی ہیں جو میں نے لکھیں۔

(۳۹) دل جلوہ گاہِ حق ہے دل خانۂ خدا ہے

جو گوشِ دل میں آئے برحق وہی صدا ہے

ممکن ہے کوئی قوافی پر معترض ہو لیکن اِس کے جواز کی قدیم شعرا کے کلام سے بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں اس وقت مجھے کوئی شعر یاد نہیں آتا میں الہ آباد میں ہوں میری کتابیں نارے میں ہیں ورنہ مثال بھی میں لکھ دیتا مگر مجھے اپنے حافظہ پر اس قدر بھروسہ ہے کہ میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ جائز ہے اگرچہ بذاتِ خاص میں ضرور احتیاط کرتا ہوں یہ تو فن کی بات تھی اب شعر کو معنی و مطلب کے لحاظ سے دیکھئے پہلا مصرعہ بہت سیدھا سادہ ہے لیکن دوسرے مصرعے نے اس مضمون کو آسمان پر پہنچا دیا ہے "جو گوش دل میں آئے برحق وہی صدا ہے" بعض اشعار ایسے ہوتے ہیں کہ دل لطف اُٹھاتا ہے اور زبان اُس لطف کے بیان کرنے سے مجبور رہتی ہے جو صدا گوش دل میں آئے وہی برحق ہے پھر دل کو جلوہ گاہِ حق اور خانۂ خدا بھی قرار دیا ہے جو فی الحقیقت جلوہ گاہِ حق اور خانۂ خدا ہے۔

(۴۰) گلشن سے ہو تقصیر اگر کوئی کرو عفو

خردوں سے خطا اور بزرگوں سے عطا ہے

یہ مقطع اُس غزل کا نہیں جس غزل کے مطلع کے متعلق میں اس سے پہلے لکھ چکا ہوں
از خردان خطا و از بزرگان عطا یہ مشہور مقولہ ہے جس کو اکثر و بیشتر موقعوں پر
لوگ کہتے ہیں دوسرا مصرعہ اسی مقولے کا ترجمہ اور منظوم ترجمہ ہے اگرچہ دیوان
میں یہ مقطع اس موقع کے لئے نہیں تھا مگر میں نے مناسب سمجھا کہ اس کو اپنے
مضمون کے آخر میں لکھ کر اپنے اور جناب گلشن صاحب کی طرف سے ناظرین کی
خدمت میں اپنی زبان سے عرض کروں۔

گلشن سے ہو تقصیر اگر کوئی کرو عفو

خردوں سے خطا اور بزرگوں سے عطا ہے

اس کا یہ مطلب ہے کہ گلشن صاحب یا مجھ سے اگر کوئی فروگذاشت ہوئی ہو
تو حضرات اُس کو معاف فرمائیں۔

حسن منزل الہ آباد

۲۱۔جولائی ۱۹۴۵ء

نوح ناروی

قطعہ تاریخ کلیات جنابِ گلشنؔ صاحب

چکیدۂ خامۂ اعجاز رقم عالیجناب مولانا سلطان قلی متخلص بہ مذہبیؔ

ایں گلشنِ خرم و نگاریں — بشگفت زشاخِ کلکِ دُربار
برگِ گلِ تازہ اش معطّر — نخلِ رطبش ہمہ پُر از بار
در ہر چمنش ہزار بُلبل — خوانندۂ نغمۂ پُر اَسرار
یعنی دیوانِ گلشنِ کول — شایع کردہ کتابِ اشعار
ہر شعر چو گوہرِ مصفّا — روشن شدہ چشم از و بدیدار
چوں مذہبیؔ سالِ طبع ایں باغ — از مُلہمِ عقل شد طلبگار

بشنید صدائے ہاتفِ غیب
نَو گلشنِ بے خزاں و بے خار

۱۹۴۵ء

حصۂ اوّل

فہرست نغمۂ بوستانِ رنگیں

نا

صفحہ	تعداد اشعار	اوّل مصرعۂ غزل	نمبر غزل	ردیف
۱۸۲	۶	حقیقت کا پردہ جو کوئی اُٹھائے	۱۳۰	

۱۸۲ صفحوں میں ۱۳۰ غزلوں کے ۱۲۳۱ اشعار ہیں

حصّہ دوم

فہرست باغِ خوشنما

نع

(۱) ۲۷ قطعے کی تعدادِ اشعار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۱

(۲) ۹ نظموں " " ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹۶

(۳) ۳ مخمسوں " " ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۹۴

(۴) ۲ قصیدوں " " ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۷۱

(۵) ۱۳ تاریخوں " " ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۵۳

(۶) ۱ سدگورو اُپدیش " ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲

(۷) ۱ سہرا کی " ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۵

(۸) ۱ منظوم لکچر کے ۲۲ بندوں کی تعدادِ اشعار ۔ ۔ ۱۹۸

۵۷ ۔ ۔ ۔ ۸۰۰

۱۳۸ صفحوں میں مندرجہ بالا مضامین کے ۵۷ نمبروں کی
تعدادِ اشعار ۸۰۰ ہے

حصۂ اوّل

نغمۂ بوستانِ رنگیں

۱۹۴۴ء

(غزلیات)

الف

کیوں الگ تجھ سے رہے چاہنے والا تیرا
ایک ہی رنگ ہو جس میں نہ ہو میرا تیرا

کر دے دشوار کو آسان جو انساں کے لیے
ہے وہ کیا چیز اک ادنےٰ سا اشارا تیرا

بزمِ عالم میں ہوا محو تماشا ایسا
کہ رہا یاد نہ اے دل تجھے وعدا تیرا

آنکھ ظاہر کی بھلا دیکھ سکے گی کیوں کر
جذبۂ شوق ہے مرا جلوۂ زیبا تیرا

تجھ پہ تکیہ کیے بیٹھا ہوں نہیں اور سے کام
دو جہاں میں مجھے کافی ہے سہارا تیرا

تجھ سے مطلب ہے زمانے سے نہیں کوئی غرض
ماسوا سے ہے الگ چاہنے والا تیرا

اُس کا جینا بھی ہے مرنا بھی ہے سب تیرے لیے
نہیں گلشنؔ سا جہاں میں کوئی شیدا تیرا

(۲)

نفس اگر اسرارِ حق سے آشنا ہو جائے گا
اس کا میں ہو جاؤں گا اور وہ مرا ہو جائے گا
خاکساری سے جو تو بھی خاک سا ہو جائے گا
سہل رستہ منزلِ مقصود کا ہو جائے گا
قرض جس جس کا ہے دینا جب ادا ہو جائے گا
قید کی زحمت سے قیدی بھی رہا ہو جائے گا
آئینہ جس وقت دل کا با صفا ہو جائے گا
عکسِ وحدت آپ اس میں رونما ہو جائے گا
ناروا بھی ہم کو اے ناصح روا ہو جائے گا
جس گھڑی دل اپنا راضی با رضا ہو جائے گا
جب نشانِ بے نشاں ڈھونڈیگا اپنے دل میں تو
ہو کے روشن داغِ حسرت رہنما ہو جائے گا

کیا رہے گا پھر بھلا اہلِ غرض کے واسطے
درد دل سے، درد سے دل جب جدا ہو جائے گا

جب مٹا دیں گے دوئی کا نقش لوحِ دل سے ہم
دہر کا تلخ آب خود ہی با مزا ہو جائے گا

اس قدر ہیں محوِ غفلت کچھ خبر ہم کو نہیں
کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے اور کیا ہو جائے گا

خواہشوں کا صرف اک پُتلا ہے انسانِ لطیف
جب ہوس بجھ جائے گی وہ بھی ہوا ہو جائے گا

چشمِ باطن سے کرے گا اپنی جانب جب نظر
تجھ پہ ظاہر زندگی کا مُدّعا ہو جائے گا

نغمۂ دل سوز سُننے کے لیے ترسیں گے کان
ایک دن جب سازِ ہستی بے صدا ہو جائے گا

بندۂ دنیا کو گُلشن یہ نہیں شاید خبر
جب خودی کو چھوڑ دے گا با خدا ہو جائے گا

(۳)

خدا کا گھر ہے یہ دل اس کو تو سجائے جا
کثافتوں سے جہاں کی اسے بچائے جا

جہاں میں نام و نشانِ نفاق کیوں رہ جائے
مخالفت دلِ خود بیں سے تو مٹائے جا

مخالفت نہ ہو کہنے میں اور کرنے میں
زبان و دل کی صداقت کو آزمائے جا

ہمیشہ دل کے ارادوں کا تجھکو پاس رہے
جو چاہتا ہے اُسے کرکے بھی دکھائے جا

لکھا ہوا تو مقدّر کا ہو کے رہتا ہے
تو اپنی بگڑی کو جب تک بنے بنائے جا

بُرا نہ مان کسی کے کہے سُنے کا کبھی
رُلائے بھی تجھے کوئی تو مُسکرائے جا

بُھلا دے اپنے کو اور یاد رکھ اُسے ہر دم
نوائے شوق کو بیتاب ہو کے گائے جا

سبق بھلائی کا لے دوسروں کی نیکی سے
بُرائیوں کو زمانے کی تو بُھلائے جا

رفیق ہونگے ترے صرف نیک و بد اعمال
نہ ساتھ جائے گی دولت اِسے لُٹائے جا

صلہ نہ چاہ کسی سے تو اپنی خدمت کا
ہر اک سُلوک کو دریا میں تو بہائے جا

جو فرض تیرا ہے گلشنؔ نگاہ رکھ اُس پر
بھلے بُرے سے محبت کو تو نبھائے جا

(۴)

خودی جب ہو طبیعت میں خدا کا ڈر نہ ایماں کا
وہاں کیا کام انساں کا جہاں ہو دخل شیطاں کا

جو محویت کا عالم ہے وہ دُنیا سے نرالا ہے
یہاں کچھ فرق باقی ہی نہیں رہتا دل وجاں کا

محبت دل میں جب ہو گی تو پیدا ربط بھی ہو گا
نہ رہ جائے گا باقی فرق ہندو اور مسلماں کا

وہ گُل بے کار ہیں جن میں نہ خوشبو اور لطافت ہو
مےِ رنگینِ اُلفت سے نہ دل خالی ہو انساں کا

بہارِ عیش کا انجام آخر غم پہ ہوتا ہے
یہی مُرجھا کے گُل کہتا ہے بُلبُل سے گلستاں کا

اگر قسمت میں ہوتا رہبریِ خضر کام آتی
سکندر کو پتا مل جاتا بیشک آبِ حیواں کا

عناصر کے قفس میں روح کیوں اور کس طرح آئی
کھُلے گا ہم پہ کب تک دیکھیے یہ راز زنداں کا

غلط رستے دکھاتا ہے بُری راہیں چلاتا ہے
رہا کچھ اعتبار اب تو نہ دل سے بھی نگہباں کا

سُنا ہے دشمنِ دانا کو بہتر لوگ کہتے ہیں
سبب یہ ہے کہ ساتھ اچھا نہیں ہوتا ہے ناداں کا

رہے محوِ خیالِ ذاتِ باری یہ تو لازم ہے
مگر دُنیا کا بھی تو کام ہے اک فرض انساں کا

کسی نے بھی نہ کی تکمیلِ درسِ عشق اے گلشنؔ
یہی دستور ابتک چل رہا ہے اس دبستاں کا

(۵)

بُھلا دیں ہم اُنھیں ہم سے تو ایسا ہو نہیں سکتا
وہ ہم کو بھول جائیں یہ بھی ایسا ہو نہیں سکتا

اگر ہم مُتّحد ہو جائیں پھر کیا ہو نہیں سکتا
نہ قطرے جمع ہوں جب تک ہم تو دریا ہو نہیں سکتا

طلب مطلوب کی طالب کو ہونی چاہیے دل سے
بنے جس کا نہ سودائی وہ سودا ہو نہیں سکتا

بھلا مل بیٹھنا ہے لیکن الفت اور ہی کچھ ہے
نہ مل جائیں اگر دل ربط پیدا ہو نہیں سکتا

ترقّی کے مدارج مُنحصر ہیں راز دانی پہ
جو دانائے زماں ہے اُسکو دھوکا ہو نہیں سکتا

ہنسی میں کھیل میں اچھّے بُرے کاموں میں دانا کو
گذرنا حد سے نازیبا ہے زیبا ہو نہیں سکتا

ہے ماہیّت ہر اِک شے کی خود اپنی فکر سے پیدا
بجا جس کو کہے دل اپنا بیجا ہو نہیں سکتا

جِلا آئینے کی کرتی ہے روشن عکس جاناں کو
صفائی دل پہ غالب ہو تو پردا ہو نہیں سکتا

محبّت میں نہ کام آئیں گی ظاہر داریاں گُلشن
ملیں جب تک نہ دل، کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا

(۶)

دل کو اُس شوخ کا کاشانہ بنایا ہوتا   ورنہ بہتر تھا کہ ویرانہ بنایا ہوتا
خاکِ دل سے مری پیمانہ بنایا ہوتا   پھر اُسے حاصلِ میخانہ بنایا ہوتا
دل کو ادراک کا دیوانہ بنایا ہوتا   بادۂ علم سے مستانہ بنایا ہوتا
مجھ کو رہتا نہ بجز تیرے کسی کا اِحساس   ماسوا سے مجھے بیگانہ بنایا ہوتا
جو ہر اک نشئہ ہستی کا خلاصہ بنتا   ایسا کونین کا پیمانہ بنایا ہوتا
جس میں سوزِ غمِ اُلفت کا اثر بھی کچھ ہو   دل کو اُس شمع کا پروانہ بنایا ہوتا
ہر جگہ تیری محبت کے ہیں قصّے لاکھوں   دفترِ عشق کو ایسا نہ بنایا ہوتا
مجھ کو رہتی نہ ہوس لعل و گُہر کی مطلق   میرا انداز فقیرانہ بنایا ہوتا

دل کو آئینۂ حیرت کے عوض اے گلشن
مظہرِ جلوۂ جانانہ بنایا ہوتا

(۷)

سوا ہو درد دل اے چارہ گر ایسی دوا دینا
میں اپنے کو بھلا دوں ایسی حالت اے خدا دینا

مصیبت دے تو دل بھی مجھکو لذّت آشنا دینا
الٰہی مجھکو ذوقِ کیفِ ترکِ مدّعا دینا

جہاں کی جس قدر دلچسپیاں ہیں اُن سے باز آکر
خدا کی راہ میں لازم ہے تن من دھن لٹا دینا

زباں سے بات جو نکلی وہ پھر واپس نہیں آتی
بہت دشوار ہے نقشِ قلم کو خود مٹا دینا

بھلا تھا یا برا دنیا سے اب تم جانے والے کی
بھلائی یاد رکھنا اور برائی کو بھلا دینا

بہت مشکل ہے کارِ ترکِ دنیا حضرتِ واعظ
تمھیں لازم ہے جو کہتے ہو وہ کرکے دکھا دینا

بہار آخر ہوئی دورِ خزاں بھی چند روزہ ہے
یہ پیغامِ گُلِ پژمردہ بُلبل کو سُنا دینا

اگر واقف نہیں ہو تم کہ کیا ہے مقصدِ اعلیٰ
تو سُن لو خوابِ غفلت میں جو ہو اُس کو جگا دینا

ترے در پر بھٹکتا کوئی تشنہ لب جو آ نکلے
اُسے بھی ایک ساغر اے مرے ساقی پلا دینا

نہالِ بارور سے لے سبق گلزار میں جا کر
تجھے گلشن سرِ تسلیم لازم ہے جھکا دینا

(۸)

دل کثافت سے جہاں کی جو بچایا نہ گیا — داغِ عصیاں بھی کسی طرح مٹایا نہ گیا

نقشِ اُمّید کا پردے میں بنایا نہ گیا — رازِ دل ہم سے کسی طرح چھپایا نہ گیا

جو تھا تقدیر میں لکھّا وہ مٹایا نہ گیا — سرِ درِ یار پہ بھی ہم سے جھکایا نہ گیا

وقت کو کارِ جہاں سے تھا بچانا دشوار — دل کو خالق کی پرستش میں لگایا نہ گیا

بھیرویں چھیڑنے کا وقت سرِ شام نہیں — راگ بے وقت کا ہم سے کبھی گایا نہ گیا

تشنہ لب بیٹھے رہے تیرے لگائے اُمّید — تجھ سے اک جامِ محبّت بھی پلایا نہ گیا

دل کی تعلیم کے قابل نہیں ہوتا ہر شخص — یہ تماشا سرِ بازار دکھایا نہ گیا

ہم کبھی حوصلۂ دل سے مقابل نہ ہوئے — شیر سویا ہوا تھا اُس کو جگایا نہ گیا

دل تھا مجبور زباں پر نہ تھا قابو گلشن
اُس کو کچھ حال مصیبت کا سنایا نہ گیا

(۹)

عشق نے عالم میں ایسا دردِ دل پیدا کیا
اہلِ راحت کو بھی جس نے اپنا دیوانا کیا

عشق سے زندہ جہاں میں عاشقوں کا نام ہے
آہ اپنے دردوں نے لیکن عشق کو رسوا کیا

جان ہی پر کھیل کر آساں ہوئی ہیں مشکلیں
کون کہتا ہے کہ یہ جس نے کیا بیجا کیا

آستانِ حق پہ جب پہنچا تو پھر کیا دیر تھی
بندگی لازم تھی بندے کے لیے سجدا کیا

تم تھے غافل ہم سے اور ہم تھے تمھارے جاں نثار
ہم نے تم سے کیا کیا اور تم نے ہم سے کیا کیا

ہے کمی کا رنج کیوں اُس کے بھروسے پر رہو
قطرے قطرے کو ملا کر جس نے اک دریا کیا

جو عمل اچھے تھے مال اور جان دیکر لے لیے
کوئی سودائی کہے، ہم نے تو یہ سودا کیا

اپنی کم فہمی سے گلشن چاہے جو سمجھے کوئی
قادرِ مطلق نے لیکن جو کیا اچھا کیا

۸

(۱۰)

وقت ہوتا ہے ہر اک کام کے ہو جانے کا
غنچے کے کھلنے کا اور پھول کے کُمھلانے کا

اُس سے لَو شمعِ محبت کی بُجھائے نہ بُجھی
محفلِ عشق میں گو نام ہے پروانے کا

جو مقدر میں لکھا ہے وہی پیش آئے گا
نہ قصور اس میں ہے اپنے کا نہ بیگانے کا

خدمتِ خلق و عبادت کے سوا آپ کے یہاں
اور کیا کام ہے اے دل تیرے بہلانے کا

دام میں حرص کے آدم کو محبت لائی
صید ہے طائرِ دل حُسن کے اک دانے کا

کھیلتی تھی سرِ راون پہ قضا لنکا میں
اصل مقصد تھا یہی رام کے بن جانے کا

وہ زمانہ نہ رہا اور وہ انساں نہ رہے
ذکر بیکار ہے گزرے ہوئے افسانے کا

شیخ کو کعبہ، برہمن کو مبارک مندر
مَیں پُجاری ہوں محبت کے صنم خانے کا

محفلِ شعر میں اب حضرتِ گلشنؔ چلیے
وقت اچھا ہے یہ اُحباب سے مل جانے کا

(۱۱)

نہ جب تک دلِ پُر ہوس رام ہوگا
جہاں میں نہ پورا کوئی کام ہوگا

رہِ حق میں بڑھتا اگر گام ہوگا
تکو نام کیوں کوئی بدنام ہوگا

ترے جلوے کے ہونگے جلوے نرالے
کہیں خاص ہوگا کہیں عام ہوگا

لگائے گا کیوں مُنہ اُسے رندِ مے کش
اگر مے سے خالی کبھی جام ہوگا

سمجھ لے گا جو مقصدِ زندگی کو
وہ کیوں نامُراد اور ناکام ہوگا

جو آغاز سے کام کے بے خبر ہو
وہ کیا جانے کیا اُس کا انجام ہوگا

اگر ہوگا بدنام گُلشن تو کیا ڈر
زمانے میں اس سے بھی اک نام ہوگا

(۱۴)

بجز وحدت پسندی کے دلِ ناشاد کیا کرتا
جسے برباد ہونا تھا اُسے آباد کیا کرتا
خبر ہوتی اگر تقدیر رہے تدبیر پر غالب
بنا کر اک بہشت اپنی الگ شدّاد کیا کرتا
اسیرانِ قفس کے کب تک افسانے سُنے جاتے
نہ کرتا گر اُنھیں آزاد تو صیّاد کیا کرتا
مصیبت راہ پر انساں کو گر لاتی نہ اے گُلشن
خودی میں محو ہو جاتا خُدا کی یاد کیا کرتا

(۱۳)

خامے نے چاہا بیاں گر گلشنِ کشمیر کا — صفحۂ قرطاس نقشا بن گیا تصویر کا

مدّتیں گزریں وطن چھوڑے مگر بھولا نہیں — پھرتا ہے آنکھوں میں نقشہ آج تک کشمیر کا

قید میں افتاد جانے کیا اسیروں پر پڑی — شور اب زنداں میں اگلا سا نہیں زنجیر کا

رنگ بدلے عالمِ ایجاد نے کیا نو بہ نو — اک اثر یہ بھی تھا میرے نالۂ شبگیر کا

اہلِ دنیا ہو گئے ہیں کس قدر اہلِ غرض — ایک ہی عالم ہے اب طفل و جوان و پیر کا

لاکھ تدبیریں کرے کوئی یہ کچھ ہوتا نہیں — اور جو ہوتا ہے وہ آئینہ ہے تقدیر کا

کون سنتا ہے نصیحت کون کرتا ہے عمل — اہلِ دُنیا پر اثر ہو کیا مری تقریر کا

اصل میں گلہائے رنگیں کی حقیقت کچھ نہ تھی
گلشنِ عالم میں سارا فیض ہے۔ رشپیر کا

(۱۴)

عاشقوں نے جہاں میں کام کیا　　بعد مرنے کے اپنا نام کیا
دل کی دل ہی میں لے گئے جو گئے　　کس نے کارِ جہاں تمام کیا
درد ہی درد تھا بھرا پہلو　　جب محبت کا اہتمام کیا
آئے اور چل دیے ہوا کی طرح　　کششِ دل نے کچھ نہ کام کیا
مقصدِ زندگی نہ ہاتھ آیا　　صبح کو کیا سمجھ کے شام کیا
سختیاں راہ کی جو یاد آئیں　　یہیں سے کعبے کو سلام کیا
جنگ ہی کی جو ٹھان رکھی تھی　　کس لیے صلح کا پیام کیا
منتظر موت کے رہے ایسے　　زندگی کا نہ کوئی کام کیا

زندگی ختم ہو گئی گلشن
راہِ منزل میں جب قیام کیا

(۱۵)

حامی ہو اگر مالکِ تقدیر ہمارا — کچھ کر نہیں سکتا فلکِ پیر ہمارا

اب تو فلکِ پیر کے بھی دم پہ بنی ہے — پہنچا ہے کہاں نالۂ شبگیر ہمارا

وہ بھی نہ بچا راہ نوردی کے اثر سے — چکر میں رہا حلقۂ زنجیر ہمارا

اک نقشِ تحیر کے سوا کچھ نہ ملے گا — دیکھے کوئی آئینۂ تصویر ہمارا

اک آہ جو ہم کر دیں تو کیا جانیے کیا ہو — پیکانِ اجل سے نہیں کم تیر ہمارا

تقریر سنیں یا نہ سنیں اہلِ زمانہ — وہ دیکھ لیں آئینۂ تحریر ہمارا

اللہ سے گلشنؔ کی یہی دن رات دعا ہے
سرسبز رہے گلشنِ کشمیر ہمارا

(۱۶)

ین وایماں جب نہ انساں میں کہیں پر رہ گیا
قالبِ بے روح کے مانند پیکر رہ گیا

یا لگائیں اُس سے دل اور اُس سے الفت کیا کریں
اس رباطِ دہر میں آکر جو دم بھر رہ گیا

جو رضا خالق کی تھی اُس سے رہے ہم بےخبر
مرتے مرتے داغِ ناکامی بھی دل پر رہ گیا

بے گہر ہو کیوں صدف اور بے پسر ہو کیوں بشر
بدنما ہے باغ میں جو نخل بے بر رہ گیا

ظلم کے مٹنے سے بہتر ہے کہ ظالم خود مٹے
ہو گا زیرِ بارِ عصیاں اور بھی گر رہ گیا

ناگوارا سب گوارا کر لیا اُن کے لیے
زہر کا ہر گھونٹ مثلِ شیر پی کر رہ گیا

جذبۂ مہرِ پدر تھا جاں فدا یا برنے کی
اور رہا یوں جاں بلب تھا ہو کے جانبر رہ گیا

گرم ہے محفل سخن کی کوچے کوچے ان دنوں
آجکل باقی یہی اک کام گھر گھر رہ گیا

کھینچ لائی ہے دلِ ضامن کی گلشن کو کشش
وہ اٹھا وہ جاتے جاتے بندہ پرور رہ گیا

(۱۷)

سمجھ لیں گے مفہوم دل وہ ہمارا
کہ عاقل کو ہوتا ہے کافی اشارا

ہنسی کی بھی ہوتی ہے حد کوئی آخر
بڑھا حد سے جب کھیل بگڑے گا سارا

وہ دل چسپیاں صحبتوں میں کہاں ہیں
جو دیکھا ہے کیونکر دکھائیں نظارا

نہ معلوم کیا وصف ہے خاص ایسا
کہ تم بن گئے سب کی آنکھوں کا تارا

بچھڑنے کے دن اب قریب آ رہے ہیں
رہے گا نہ ساتھ اب ہمارا تمھارا

ہے باہر یہ شاعر کے ادراک سے بھی
طبیعت نے اتنا انھیں کیوں ابھارا

ہے دُنیا کو اپنے ہی مطلب سے مطلب
کسی کا نہیں ہے یہاں کوئی پیارا

نہ کچھ پوچھو اُس دل کی تم مجھ سے حالت
بگڑتا ہے بن کر جو قسمت کا مارا

مصیبت میں کام آنا تیرا کسی کی
ہے تنکے کا اک ڈوبتے کو سہارا

دکھائے گا کیا روشنی دوسروں کو
اندھیرے میں جو خود پھنسا ہو بچارا

جو ہے یار زندہ تو صحبت ہے باقی
پریشاں نہ گلشنؔ رہو تم خدارا

(۱۸)

رازِ دل کا بتا کے دیکھ لیا　　دل کے کہنے میں آ کے دیکھ لیا
دشمنوں کو ہنسا کے دیکھ لیا　　دوستوں کو رُلا کے دیکھ لیا
دل کا دھڑکا مٹا کے دیکھ لیا　　شبِ سوتا جگا کے دیکھ لیا
ظالموں نے ستا کے دیکھ لیا　　نہ مٹے ہم مٹا کے دیکھ لیا
پردہ اک اک ہٹا کے دیکھ لیا　　ان کو دل میں بٹھا کے دیکھ لیا
شوقِ دل کو بڑھا کے دیکھ لیا　　زندگی کو گھٹا کے دیکھ لیا
کچھ نہ پایا سوا ندامت کے　　لطفِ دُنیا اُٹھا کے دیکھ لیا

دیکھنا جو بھی تھا اُسے گلشن
ہم نے پریاگ جا کے دیکھ لیا

(۱۹)

دو روزہ زندگی کا عیش و عشرت میں گزر جانا
یہ ایسا کام تھا، جس کو کیا، لیکن نہ کر جانا

مکانِ عُنصری ہم کو ملا تھا عارضی لیکن
ہمیشہ کے لیے ہم نے اُسی کو اپنا گھر جانا

جو بنتے رہنما دل کے تو کیوں گُمراہ کہلاتے
قیامت ہے کہ ہم نے خود ہی دل کو راہبر جانا

خودی کو ترک کرنے سے محبّت بھی سنورتی ہے
کسی تدبیرِ دیگر کو نہ ہم نے کارگر جانا

ارادہ پہلے، پھر ہمّت، اُصولِ رہروی یہ ہے
غلط ہے، بن کے منزل کی طرف بے بال و پر جانا

بشر کو چاہیے فہمِ رسا سے کام لے، یہ کیا
کسی پتھر کو دیکھا اور بے سمجھے گُہر جانا

بشر کی زندگی میں ایک حالت سب سمجھتے ہیں
وہ ہوتی ہے، جسے کہتے ہیں، پیمانے کا بھر جانا
قیامِ دوستی کو عزم و ہمّت کی ضرورت ہے
رُکاوٹ سے نہ گھبرانا مخالف سے نہ ڈر جانا
خودی ہر چیز کا خود ہی ہیولا بن کے رہتی ہے
بُھلایا سب بشر نے، اپنی ہستی کو اگر جانا
یہیں سے جلوۂ معنی نظر آجائے گا تم کو
حریمِ کعبہ جب دل ہے تو کیسا در بدر جانا
بشر کی طینت اُس کے فعل سے پہچانی جاتی ہے
نظر نے خود شجر سے جس طرح رنگِ ثمر جانا
یہی تو ہیں وہ گلشن شرحِ معنی جن سے ہوتی ہے
وہ کچھ سمجھا نہیں، شعروں کو جس نے بے اثر جانا

(۲۰)

حشرِ قول و فعل کا سمجھا نہ کچھ، بے ہوش تھا
آدمی عقل و خرد کی مے سے کیا مدہوش تھا

ذوقِ ہستی چار دن کا ایک جھوٹا جوش تھا
ساری دُنیا نغمہ خواں تھی اور مَیں خاموش تھا

غیر کے وہ رنج کو محسوس کر سکتا تھا کب
جو فقط اپنے لیے دُنیا میں راحت کوش تھا

کیوں نہ ہوں ناکامیاں دُنیا کے کاموں میں نصیب
کارِ دیں جو فرضِ اوّل تھا وہ بارِ دوش تھا

راہِ عرفاں میں عجب دیکھا گیا گُلشن کا رنگ
ہوش میں تھی بیخودی اور بیخودی میں ہوش تھا

(۲۱)

راز ہے یہ عجیب قدرت کا — شکل کثرت کی رنگ وحدت کا

لطف اُٹھالے لُٹاکے تُو اسکو — کچھ نہیں اعتبار دولت کا

جو بھی ہے اس جہاں میں پیشِ نظر — رنگ ہے اپنی ہی طبیعت کا

سارے ساتھی ہیں عیش و عشرت کے — ساتھ کس نے دیا مصیبت کا

کچھ بھی تدبیر کی نہیں چلتی — لکھّا مٹتا نہیں ہے قسمت کا

فکر کیا انقلابِ عالم کی — چھوڑ بھی ذکر رنج و راحت کا

مقصدِ زندگی سمجھ لینا — اک بڑا کام ہے طبیعت کا

ہو حکومت جہاں محبت کی — کام کیا ہے وہاں عداوت کا

اہلِ خدمت ہی بنتے ہیں مخدوم — یہ صلہ کم نہیں ہے خدمت کا

دل کی رفتار کوئی کیا جانے — کچھ بھروسا نہیں ہے نیّت کا

نام کو بھی نہیں کہیں اُلفت — کہیں چرچا نہیں محبّت کا

جنکے دل اپنے بس میں ہیں اُن پہ کیا اثر ہو بُرے کی صحبت کا
دل میں سچّی اگر محبت ہو کیوں ہو موقعہ کسی شکایت کا
دوستی سے دلوں کو کر باہم توڑ دے سلسلہ عداوت کا
جب جہاں چاہے یادِ حق کرلے کوئی موقع نہیں عبادت کا
غنچۂ آرزو کھلے گلشن
منتظر ہوں خدا کی رحمت کا

۱۶

(۲۲)

ستارا جب حقیقت کا بلندی پر درخشاں تھا
نہ جھگڑے تھے نہ فکریں تھیں نہ دل میں کوئی ارماں تھا
مری کشتیِ دل بحرِ تفکّر کے تلاطم سے
جو اُبھری غوطہ زن ہو کر تو دیکھا اک گلستاں تھا
سکندر کی سیہ بختی تھی رہبر خضر سا پا کر
رہا وہ تشنہ لب اُس جا بھی جس جا آبِ حیواں تھا
شہنشاہوں کے سر نیچے کیے توڑے گھمنڈ اُنکے
ملایا خاک میں جس نے اُنھیں گردونِ گرداں تھا
رقابت اور رفاقت کا پتا کیونکر اُسے ملتا
کہ دشمن اس کا دانا تھا کہ اُس کا دوست ناداں تھا

اِدھر افکار کی کثرت اُدھر دُنیا کا ہنگامہ
اِدھر دل میں تلاطم اور اُدھر محشر کا ساماں تھا
نہ تھا جوہر کوئی اُس میں، نہ کوئی قابلیّت تھی
اُسے پاسِ سخن تھا اس لیے گلشن سخنداں تھا

٭

(٢٣)

نہیں مشکل کسی دشوار کا آساں ہونا
چاہیے ہاتھ میں تدبیر کا داماں ہونا

ہے جہاں میں کبھی گریاں کبھی خنداں ہونا
کبھی گل پوش کبھی خار بداماں ہونا

ایک وہ ہیں کہ رہائی کی طلب ہے ہر دم
ایک ہم ہیں کہ فدائے درِ زنداں ہونا

خود جو گمراہ ہے کیونکر ہو کسی کا رہبر
دیکھا اندھے کو نہ اندھے کا نگہباں ہونا

مدعا زیست کا گلشنؔ نے یہی سمجھا ہے
علم اور فضل پہ سو جان سے قرباں ہونا

(۲۴)

فقیر کا تو ہر اک جا پہ ہے مکاں ہوتا　　تعلق اُس کا مگر دل سے ہے کہاں ہوتا
مصیبت ایک کسوٹی ہے سب کے کسنے کو　　ہے اس سے دوست کا دُنیا میں امتحاں ہوتا
چراغِ عشق ہے کرتا اُسی کا دل روشن　　خدا کا جس پہ ہے احسانِ بیکراں ہوتا
رہا وہ زعم میں اپنے جسے تھی تاب و تواں　　خدا کی یاد بھی کرتا جو ناتواں ہوتا
ہے اُس پہ قہرِ خدا جس سے ہے جہاں نالاں　　جو ہوتی مہرِ خدا، مہرباں جہاں ہوتا
جُدا نہ دین سے دُنیا رہی نہ ہوگی کبھی　　سمجھتا اس کو اگر کوئی رازداں ہوتا
سبق جو عقل سے لیتے کبھی نہ ہم مٹتے　　ہزار در پے آزار آسماں ہوتا

کہا سُنا تو بہت کچھ مگر اثر نہ ہوا
سمجھتا بات وہ گلشنؔ جو قدرداں ہوتا

(۲۵)

قبضہ نہیں ہے گھر پہ تو ہو انتظام کیا
دل ہی نہیں ہے بس میں تو دیں ہم پیام کیا

ایسا غرض نے کر دیا اندھا خبر نہیں
کس کو حلال کہتے ہیں اور ہے حرام کیا

سب جانتے ہیں کرتے نہیں پھر بھی نیک کام
اس بے ثبات گھر میں بشر کا قیام کیا

دانا تمام نام کے ہیں کام کے نہیں
پوچھے کوئی کہ کرتے ہیں یہ صبح و شام کیا

دل جب ہوا اُداس تو دُنیا اُداس ہے
اَبر و بہار و مُطرب و مینا و جام کیا

پہنچیں گے یوں نہ منزلِ مقصود تک کبھی
انصاف تو کرو یہ ہے طرزِ خرام کیا

دل جس کا ہے اُسی کے حوالے کرو اسے
آخر پرائی چیز سے تم کو ہے کام کیا

گلشنؔ نہ ہو جو لُطفِ خدا شامل و شریک
تم چیز کیا ہو اور تمہارا کلام کیا

(۲۶)

جو رہے محکوم ہو کر تیرا، ایسا دل بنا
اپنی نسبت سے کے اُسے پھر ہر طرح قابل بنا

جو ترے ماضی کا کفارہ بنے پوری طرح
حال کو تُو اپنے اُس صورت کا مستقبل بنا

رکھ ارادوں کو تُو آئینہ صفت پیشِ نظر
اپنے کو پھر پورے ذوق و شوق سے شاغل بنا

بن نظیر ایسی کہ تجھ سے ایک عالم لے سبق
یعنی خود کو عالم و عامل بنا کامل بنا

گھر نہیں آرام کا دُنیا، اگر چاہے نجات
ہر مصیبت جھیلنے کے واسطے اِک دِل بنا

عقلمندی ہے اسی میں کر دے ہر مشکل کو سہل
تُو نہ کم عقلی سے اپنی سہل کو مشکل بنا

تُو جو چاہے گا وہ بن جائے گا اپنی سعی سے
جس طرح نوشیرواں تھا عدل سے عادل بنا

عقل کی کوتاہیوں کا تیری غفلت ہے سبب
ترکِ غفلت کر کے اپنی عقل کو کامل بنا

قابلیت سے ہمیشہ رتبہ ہوتا ہے نصیب
جو ہُوا اعمال سے مقبول وہ مقبل بنا

غرق اگر تیراک ہو جائے تو کوئی غم نہیں — غرق ہو کر تُو محیطِ عمر کا ساحل بنا

جو کھا کے دکھا اور عاقبت اندیش بن — زندگی کا زندگی کے صرف سے حاصل بنا

جس میں بیٹھیں ہمخیالی ہمدلی سے آ کے سب — اسے بہی خواہِ محبت! ایسی اک محفل بنا

جس پہ دُنیا کی ہزاروں راحتیں قربان ہوں
دل کو گُلشنؔ ایسی دردِ عشق کی منزل بنا

۱۳

ج

(۲۷)

پھرتی ہے باغ باغ نسیمِ بہار آج — کس لطف پر ہیں غنچہ و گُل برگ و بار آج

پھولوں کی ہے مہک کہیں سبزے کی ہے لہک — باہر ہے اپنے جامے سے گلشنؔ ہزار آج

یہ فرطِ شادمانی و حُسنِ عروسِ گُل — کیا رنگ لائے گا دلِ بے اختیار آج

غُنچے لُٹا رہے ہیں زرِ گُل ہر ایک سمت — ہر پھول کے گلے میں ہے سونے کا ہار آج

نیرنگِ باغِ دہر کی حالت نہ پوچھیے — آپس میں مل رہی ہیں خزان و بہار آج ×

کیسی روِش بدل گئی عالم کی دفعتاً — جو ناگوار کل تھا وہ ہے خوشگوار آج

دردِ فراق شامِ الم داغِ بیکسی — ہمدرد ہے کوئی نہ کوئی غمگسار آج

جیسی گذر رہی ہے اُسے جانتا ہوں میں — کیا پوچھتے ہو حالتِ دل بار بار آج

مخدوم اہلِ قوم ہیں اور یہ نیاز مند
گلشنؔ ہے باغِ قوم کا خدمت گذار آج

(۲۸)

کچھ عجب عالم میں ہے میرا دلِ دیوانہ آج	بن گیا شمعِ غمِ اُلفت کا وہ پروانہ آج

آسماں کی کیا غضب ہیں تفرقہ پردازیاں	کل جسے کہتے تھے اپنا ہے وہی بیگانہ آج

بے گُناہی کی مَے پُر کیف سے جو ہو بھرا	عاشقی کا وہ نظر آتا نہیں پیمانہ آج

صبح ہونے سے ہی پہلے وہ جو رو کر بجھ گئی	خاک ہو کر شمع سے کیا کہہ گیا پروانہ آج

رونقِ باغِ جہاں کا کچھ نہیں ہے اعتبار	کل جو تھی نغمہ سرا بُلبل اُسے دیکھا نہ آج

واقعاتِ زندگی ہیں نقشِ باطل کی طرح	کل جو گزرا تھا جہاں میں ہے وہ اک افسانہ آج

آدمی دُنیا میں اک بہروپیے سے کم نہیں	وضع کل جس کی فقیرانہ تھی ہے شاہانہ آج

جو کرم پہلے تھا رندوں پر وہ ساقی کیا ہوا	کیوں تہی ہے جامِ اُلفت سے ترا میخانہ آج

آتشِ غم پھونک دیگی سب مری کشتِ اُمید	آہ! کیا ہوگا اگر ابرِ کرم برسا نہ آج

دیدہ وَر کو آگے چل کر اس کی کچھ حاجت نہیں
جو سبق دیتے ہیں گلشنؔ کعبہ و بُت خانہ آج

د

(۲۹)

اس جہاں کو ہے بقا حاصل فنا ہونے کے بعد
تخم ہو سرسبز جیسے خاک سا ہونے کے بعد

تھا مقدر میں سکندر کے جو لکھا وہ ہوا
خضر کام آئے نہ کچھ بھی رہنما ہونے کے بعد

بندشوں میں رہ گئی اعمال کے جکڑی ہوئی
روح قیدِ عنصری سے بھی رہا ہونے کے بعد

آدمی آرام و آسائش کا طالب ہی رہا
سختیوں کو کچھ نہ سمجھا حوصلہ ہونے کے بعد

آج ہی کر لے تو کارِ خیر بھی اور سیر بھی
کر سکے گا کل نہ کچھ بے دست و پا ہونے کے بعد

یہ عقیدہ ہے ہمارا اس میں کوئی شک نہیں
بارہا مرتے ہیں پیدا بارہا ہونے کے بعد

کارخانے جو خدا کے ہیں سمجھتا ہے وہی
کس کو یہ معلوم ہے کیا ہو گا کیا ہونے کے بعد

کام کا رہتا نہیں جو نام پر مرتا ہے وہ
نام پر مرتا نہیں پھر کام کا ہونے کے بعد

ہر مصیبت ہے بشر کے واسطے پیغامِ امن
چھوٹتا ہے غم سے غم میں مبتلا ہونے کے بعد

شرطِ ربط و ضبط ہے ہر کام میں انسان کے
ٹوٹتا ہے سلسلہ بے قاعدہ ہونے کے بعد

زندگی کے شغل سے ہے زندگی کا بھی وجود
کچھ نہ رہ جائے گا پورا مدعا ہونے کے بعد

درد ہی اک چیز ہے گلشن جو ہو دل کو نصیب
کیا رہے گا درد کے دل سے جدا ہونے کے بعد

۱۲

(۴۰)

غیر کی جب کیجیے گا دل سے عزت خود بخود — سب کے آگے آپ کی بھی ہوگی عزت خود بخود

ہم تو ہیں قسمت پہ شاکر کیوں کریں شکوہ فضول — اُن کی ہو جائے گی اک دن ہم پہ رحمت خود بخود

مدعا کے ہم رہیں کوشاں اگر با صدقِ دل — ایک دن اسکی نکل آئیگی صورت خود بخود

ہو اگر انسان غافل سعی اور تدبیر سے — وقت کر دیتا ہے حل ساری ضرورت خود بخود

جسکی قسمت میں ہو بربادی وہ بچ سکتا نہیں — سر پہ اس کے کھیلتی ہے آکے شامت خود بخود

کام جو کر بیٹھتا ہے کوئی بے سوچے ہوئے — ایک دن اس کی اُٹھاتا ہے ندامت خود بخود

رائگاں محنت نہیں جاتی کسی انسان کی — اجر بن جاتی ہے اسکا اس کی محنت خود بخود

کیا ضرورت ہے کہ گلشن تو کہے شاعر ہوں میں

شعر تیرے ہونگے تیری وجہ شہرت خود بخود

ر

(۳۱)

دل کو قائم کرو پہلے کسی پیمانے پر
ورنہ پھر بنتی نہیں بات بگڑ جانے پر

پیروی علم کی لازم ہے مگر عقل کے ساتھ
کیا بھروسا کرے کوئی کسی دیوانے پر

بے سفر پہنچا نہ منزل پہ کوئی بھی سالک
خوش نہ ہو کوئی فقط راہ کے پا جانے پر

کششِ عشق سے بیتاب بہت تھے لیکن
اُڑ سکے کھول کے محفل میں نہ پروانے پر

دوستی دوست کی بنتی ہے ہوا خواہی سے
زندگی جیسے ہے موقوف ہوا کھانے پر

خاصیت شیر کی فطرت کے اثر سے بدلی
دودھ بھی زہر ہوا سانپ کے پی جانے پر

اپنی قسمت سے زیادہ نہیں پاتا کوئی
ہے یہاں مُہر لگی دیکھ لو ہر دانے پر

اپنے بھی غیروں سے جب بڑھ کے نظر آتے ہیں
معترض پھر ہو کوئی کس لیے بیگانے پر

خود غرض بات بنایا ہی کیا کرتے ہیں
کام ہو جانے پہ اور وقت نکل جانے پر

۳۴

ہو بہتر جو کسی کو حق و باطل کی تمیز
کوئی کیوں بہکے کسی غیر کے بہکانے پر

جو پلے جھوٹ کے آغوش میں ہیں سچ جانو
بات وہ جھوٹ ہی کہتے ہیں قسم کھانے پر

بند آنکھیں ہیں اگر ہے یہ بصیرت کا قصور
آنکھیں کھُلتی ہیں حقیقت کے نظر آنے پر

کیوں اُسے آبِ محبت سے نہ ٹھنڈا کر دیں
شعلہ زن آگ ہوا کرتی ہے بھڑکانے پر

درد ہی درد تو اک چیز تھی اس دل کو نصیب
کچھ بھی گلشن نہ رہا درد کے مٹ جانے پر

(۳۲)

موت کو کھیل سمجھ عاشقِ شیدا ہو کر
قطرہ دریا میں رہے حاصلِ دریا ہو کر

رنگ لائے گی یہ دُنیا تہ و بالا ہو کر
حُسن رہ جائے گا ہنگامۂ فردا ہو کر

بندگی سے ہے سرافراز جہاں میں انساں
سرکشی کرتا ہے کیوں خاک کا پتلا ہو کر

خونِ حسرت نہ کرو تم کو محبت کی قسم
دل میں آجاؤ مرے دل کی تمنّا ہو کر

کبھی دل میں کبھی آنکھوں میں پھرا کرتے ہیں
رہتے ہیں پردے میں پردے سے مبرّا ہو کر

مجھکو آئینۂ حیرت ترے جلوے نے کیا
رہ گیا میں تری محفل میں تماشا ہو کر

کون ہوتا ہے بُرے وقت کسی کا ساتھی
وقت پر کام نہ آیا کوئی اپنا ہو کر

نہ رہا گرمیِ بازارِ محبّت کا وہ دَور
رہ گیا جنسِ حقیقت کا بھی سودا ہو کر

رنگِ صد باغِ معانی ہے ابھی بے گلشن
تازہ مضموں ترے سینے میں ہے غنچا ہو کر

(۳۳)

رہے ہر اشک آنکھوں میں مری نورِ نظر ہو کر
صدف میں جس طرح سے آب کا قطرہ گہر ہو کر

وہ نابینا ہی اچھا ہے نہیں آتا نظر جس کو
وہ ہے کس کام کا بینا نہ دیکھے جو نظر ہو کر

چلو جھک کر اگر ہے علم و طاقت جاہ و زر حاصل
ہمیشہ سرنگوں رہتی ہیں شاخیں بارور ہو کر

نہیں ہے علم جس کو دین کا اپنے وہ عاجز ہے
نتیجہ کیا اگر زندہ رہا بے بال و پر ہو کر

نتیجہ یہ ہے اسرارِ نہاں کی واقفیت کا
دہن پر مہرِ خاموشی لگی ہے باخبر ہو کر

وہی ہے وقتِ خوش جو صرفِ اوقاتِ عبادت ہو
گزر جائے گی دنیا ایک دن شام و سحر ہو کر

گلِ مضموں کی آب و تاب بے قدری سے جاتی ہے
نہ دو زندو پھول اسے گلشن نہاں بارور ہو کر

(۳۴)

اوجھل ہوا تو کیوں ہمیں شکل اپنی دکھا کر — نورِ آنکھ کا اور دل کی خوشی بن کے رہا کر

تقدیر میں ایسوں کے کہاں ہوتی ہے راحت — حاسد سے کہو آگ میں خود اپنی جلا کر

تلخابۂ نفرت تری عادت سہی لیکن — صہبائے محبّت کے بھی دو گھونٹ پیا کر

کیا پھوٹ میں رکھا ہے بجز رنج و الم کے — تم شیر و شکر سے رہو دل اپنے ملا کر

دُنیا میں بجز خار کے اور کچھ نہیں ملتا — لازم ہے کہ انساں رہے دامن کو بچا کر

جب عشق کا سودا نہ کیا اُس کے تو آخر — کیا تُو نے کیا حُسن کے بازار میں آ کر

پہنچا دے خبر گُل کو کبھی اُس کی تپش کی — پیغامبری بُلبلِ نالاں کی صبا کر

صحرا میں بھی حاصل ہے اُنھیں کیفِ بہاراں — وہ دل میں رہا کرتے ہیں گلزار بنا کر

تقدیر پہ تدبیر کو کیوں چھوڑ رہا ہے — بیمار اگر تو ہے تو جا فکرِ دوا کر

مقصد ہی نہ معلوم ہوا جب تجھے اپنا — کیا فائدہ ہونے کا تو دُنیا میں ہوا کر

کہنے کو تو سب کہہ دیا کہنا تھا جو گلشن

اب فرض جو ہے تیرے لیے اُسکو ادا کر

(۳۵)

نہیں ہے آزاد کوئی انساں امیر ہو کر فقیر ہو کر
بنا ہوا خواہشوں کا پتلا جہاں میں آیا اسیر ہو کر

دوا جو ہو گی کفیل صحت مرض میں بھی اسکے ہو گی تاثیر
جو بات حق ہوتی ہے ہمیشہ دلوں میں چبھتی ہے تیر ہو کر

جو چند دن رہ گئے ہیں باقی گزار دے انکو یاد حق میں
گنوا دے باتیں شباب کی سب نہ دیکھ یہ خواب پیر ہو کر

میں تیرا اک ناتواں ہوں بندہ نہ پھیر منہ رحم کی نظر رکھ
پکڑ لیا ہے جو ہاتھ یا رب نہ چھوڑ اسے دستگیر ہو کر

بچا عزت کو اپنی اوروں کی آبرو کا لحاظ کر کے
جہاں میں رہنا نہیں یہ رہنا ہے جو کوئی حقیر ہو کر

جو چاہے جیسا سبق وہ سیکھے مبالغہ کچھ نہیں ہے گلشن
ہر اک کی آنکھوں کے سامنے تم ہو ایک زندہ نظیر ہو کر

م

(۳۶)

کیا کہیں کس سے کہیں کیونکر رہے غافل سے ہم
ہو گئے بیدار فیضِ مرشدِ کامل سے ہم

دیکھتے ہیں وہ ہمیں اُن کو نہیں ہم دیکھتے
اس تغافل کی ادا پر کیوں نہ ہوں بسمل سے ہم

نقش باطل ہے یہ دُنیا اور عقبیٰ آئنہ
یہ سبق کرتے رہے حاصل حق و باطل سے ہم

دین و دُنیا میں تفاوت ہو نہیں سکتا کبھی
کھو گئے ہیں راستے میں دُور ہیں منزل سے ہم

دارِ فانی میں نمائش کے سوا کچھ بھی نہیں
پھر بھی لیتے ہیں سبق دُنیا کی ہر محفل سے ہم

اس طرح گویا ہیں شامل جیسے ہیں سب سے جُدا
اس طرح سب سے جدا ہیں گویا ہیں شامل سے ہم

بے خودی کا ہو بُرا بیگانہ جس نے کر دیا
ڈوبنے والوں کو دیکھا ہی کیے ساحل سے ہم

یہ تو ممکن ہے کہ مُٹھی میں ہوا کو تھام لیں
دل پہ قابو پاتے ہیں لیکن بڑی مشکل سے ہم

ہم نفس گلشنؔ کوئی گلزار عالم میں نہیں
پھول چُنتے بھی تو کیا دُنیا سے بے حاصل سے ہم

(۳۷)

کر چکے برسوں طوافِ کعبہ و بتخانہ ہم
دل بھٹکتا ہی پھرا حق سے رہے بیگانہ ہم

زور و زر بھی وقت بھی سب کھو چکے تفریح میں
کیا دکھائیں اب تمھیں تہذیب کا پیمانہ ہم

پھر کہاں یہ وقت اور یہ دل کی حالت پھر کہاں
چار دن کی چاندنی ہے پھر نہ یہ دُنیا نہ ہم

دوسروں کے حالِ دل کے جاننے کے واسطے
کیوں نہ دیکھیں اپنی ہی ہستی کا عبرت خانہ ہم

ہو گیا برباد دل جو تھا بھرا ارمان سے
اب کہاں آباد کر سکتے ہیں یہ ویرانہ ہم

جب دلِ صادق میں ہو گا عشقِ صادق شعلہ زن
شمعِ قومی کے لیے بن جائیں گے پروانہ ہم

ناخنِ تدبیر سے گو لاکھ سُلجھاتے رہے
کر سکے پر عقدہ اپنی زندگی کا وا نہ ہم

ذہنِ شاعر میں بسی رہتی ہو جب دُنیائے شوق
مَوجزن پھر دل کا دیکھیں کس لیے دریا نہ ہم

ایک سے رہتے نہیں ہیں دن کسی کے چار دِن
یک بُوَد دلقِ گدا و خلعتِ شاہانہ ہم

وہ اگر سُنتے نہیں سُن لے گا مالک ایک دن
غیر سے اب اپنے دل کا کیوں کہیں افسانہ ہم

کر کے نیکی چھوڑ دو دریا میں گُلشنؔ لوگے کیا
کہتے ہیں تم سے یہ سچے دل سے بیباکانہ ہم

(۳۸)

واقف جو ہیں جہان میں ہر زندگی سے ہم — گھبرا رہے ہیں دوست کی بھی دوستی سے ہم

منزل کہاں نصیب دلِ خام کار کو — بچ جائیں گے تو جائیں گے اس گمرہی سے ہم

مکر و فریب و حیلہ و جور و جفا و کذب — کیا کیا ہیں کھیل کھیلتے اس زندگی سے ہم

کل کی اگر خبر ہو تو مر جائیں آج ہی — بہتر ہیں بے خبر رہیں اس آگہی سے ہم

جب اپنے ساتھ اپنا خدا ہے تو کس کا غم
گلشنؔ ذرا بھی ڈرتے نہیں بیکسی سے ہم

۵

(۳۹)

جب ہاتھ دھو کے بیٹھے ہیں دُنیا میں دین سے ہم
ہیں تو سہی جہان میں مگر ہیں نہیں سے ہم

اب کیا بتائیں محفلِ جاناں میں کیا ہوا
آئے تھے شاد جاتے ہیں اندوہگیں سے ہم

نخوت کی کوئی حد ہے کوئی حد غرور کی
اُڑتے ہیں آسمان پہ بے پر زمیں سے ہم

گھر پھونک دیتی ہے یہ کلیجا جلاتی ہے
کیونکر نہ دل ہٹائیں تجھے آتشیں سے ہم

در پردہ راہبر وہ طریقِ عمل بتا
بے پردہ جس سے مل سکیں پردہ نشیں سے ہم

خود جال ہم بنا کے پھنسے مثلِ عنکبوت
باندھا کسی نے اور نہ بندھے ہیں کہیں سے ہم

سہنے کو رنج مل کے یہاں سب کے ساتھ ہیں
آفت کو ساتھ لائے ہیں عرشِ بریں سے ہم
اس آس میں کہ ہو گی کبھی مہر کی نظر
بیٹھے ہیں لَو لگائے ہوئے مہ جبیں سے ہم
اختر فلک پہ جیسے چمکتے ہیں رات کو
چمکیں گے اس زمین پہ گلشن نگیں سے ہم

۹

ن

(۴۰)

تنہا ہمیں نہ سمجھو ہیں دل کی انجمن میں
حاصل ہے ہم کو سب کچھ اس محفلِ سخن میں

ہو سادگی جو پیدا انسان کے چلن میں
رکھتی ہے پھر اثر بھی گویا زباں دہن میں

حاصل سکون ہو گا باہر ہو یا وطن میں
گھبرا نہ جائے انساں گر رنج اور محن میں

آنے کی اک تھکن ہے جانے کی اک مہم ہے
دم لے تو کیا مسافر مہمانسرائے تن میں

کھایا دلِ حزیں نے آخر نظر کا دھوکا
کچھ فرق ہی نہ سمجھا وہ مار اور رسن میں

اعمال کی خرابی کب چھوڑتی ہے پیچھا
بے چین کر رہی ہے مُردے کو بھی کفن میں

لاتا ہے راہ پر یہ، وہ وجہ گمرہی ہے
رہبر میں بات جو ہے وہ کب ہے راہزن میں

پوشیدہ کب رہا ہے علم و ہنر کا جوہر
تھے بیربل نمایاں اکبر کے نورتن میں

کثرت میں دیکھتے ہیں وحدت کا رنگ گلشن
رونق ہے ایک گُل ہوں گو سیکڑوں چمن میں

(۴۱)

ظاہر یہ جب ہے باغِ جہاں کو بقا نہیں
اُس گُل کی کر تلاش کہ جس کو فنا نہیں

ہم کیوں کریں، کریں بھی تو کس سے بیانِ غم
پروا نہیں ہے اُن کو ہمیں حوصلا نہیں

پودے کو سینچ سینچ کے آبِ نفاق سے
کرتے ہو کیوں گِلہ کہ یہ پھولا پھلا نہیں

سمجھے گا خاک دشتِ نوردی کی زحمتیں
کانٹا کسی کے پاؤں میں جبتک چبھا نہیں

وہ کیا جیا جو چھوڑ گیا نامِ بد یہاں
جو نیک نام ہو کے مرا وہ مرا نہیں

وہ قوم کیا کہ جس میں نہ ہو رہبری کی شان
ملّت وہ کیا کہ جس کا کوئی رہنما نہیں

ضرب المثل ہے جانتے ہیں لب تشنہ نزدِ آب
پیاسے کے پاس خود کبھی چشمہ گیا نہیں

راہِ بقا کے دیکھنے کو آنکھ چاہیے
دیکھے گا کیا وہ دیدۂ دل جسکا وا نہیں

لازم یہ ہے کہ علم کے ہو ساتھ کچھ عمل
باتوں سے خالی پیٹ کسی کا بھرا نہیں

گلشن نے جو کہا تھا اُسے تم نے کب سُنا
پھر شکوہ کیا کہ غنچۂ مقصد کِھلا نہیں

(۴۲)

ہم آج بختِ رسا کے اثر کو دیکھتے ہیں ۔۔۔ کبھی تو اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں
ہزار شکر کہ بزمِ ادب کا جلسہ ہے ۔۔۔ اِس انجمن میں ہم اہلِ نظر کو دیکھتے ہیں
کھلا ہے گُلشنِ مضموں نئے مضامیں سے ۔۔۔ ہر ایک گل میں نہاں ہم ثمر کو دیکھتے ہیں
یہ بیخودی بھی عجب ہے کہ تیرے متوالے ۔۔۔ ہر ایک بے خبر و باخبر کو دیکھتے ہیں
یہ دل وہ دل ہے کہ ہیں جس میں عشق کے جلوے ۔۔۔ اِس آئینے میں ہم آئینہ گر کو دیکھتے ہیں
ہماری خواہشِ دل آج ہو گئی پوری ۔۔۔ کہ ہمکنارِ دعا سے اثر کو دیکھتے ہیں
وہ جوہری ہیں پرکھتے ہیں جو کمالوں کو ۔۔۔ نگاہِ غور سے لعل و گہر کو دیکھتے ہیں
بھلائی اور بُرائی پہ ڈالتے ہیں نظر ۔۔۔ جو اہلِ ہوش ہیں زیر و زبر کو دیکھتے ہیں
رَوِش بدل گئی دُنیا کی اب وہ دَور کہاں ۔۔۔ بجائے خیر کے ہم شور و شر کو دیکھتے ہیں
نگاہِ شوق پہ پردہ ہوس کا ڈالے ہوئے ۔۔۔ نہ راہزن کو نہ ہم راہبر کو دیکھتے ہیں
جہالتوں کا ہماری یہ سب نتیجہ ہے ۔۔۔ کہ ہم زمانے کی بدلی نظر کو دیکھتے ہیں

۵۶

نہ تربیت ہے نہ صحبت نہ علم ہے نہ عمل — نہ ہم نگاہ سے نفع و ضرر کو دیکھتے ہیں
نہ کارِ خیر سے مطلب نہ بے کسوں سے غرض — ہوس نصیب ہیں جو مال و زر کو دیکھتے ہیں
نظر میں ہوتی ہے اہلِ کمال کے تاثیر — زمانہ دیکھتا ہے وہ جدھر کو دیکھتے ہیں
یہ اشتیاق یہ شوقِ لقا یہ بیتابی — عجب نگاہ سے ہم رہگذر کو دیکھتے ہیں
جو بات حق ہے وہ کہہ دیتے ہیں بلا پس و پیش — اُمید و بیم نہ خوف و خطر کو دیکھتے ہیں

ترے کمال کو وہ جانتے ہیں اے گلشن
نگاہِ حق سے جو اہلِ نظر کو دیکھتے ہیں

(۴۳)

وہ لاکھ زندگی ہو مگر زندگی نہیں — جس زندگی میں بندگیٔ حق کی ہوئی نہیں
انسانیت میں اُنس کا ہونا ضرور ہے — دل میں نہ درد جسکے ہو انسان ہی نہیں
دُنیا کے پیچھے دین کو برباد کر دیا — کرنے کی بات جو تھی وہی ہمنے کی نہیں
ممکن نہیں کہ ہم کو خبر اُس جہاں کی ہو — یہ وہ جگہ ہے جس کی کوئی آگہی نہیں
علم و عمل میں فرق زمین آسماں کا ہے — کہنے کو کر دکھانا کوئی دل لگی نہیں
عاشق کا فرض ہے کہ رہے سب سے بے نیاز — خواہش شریک جس میں ہو وہ عاشقی نہیں
رنج و الم کی چھائی ہے ایسی فسُردگی — کِھلتی کسی طرح مرے دل کی کلی نہیں
بے لطف ہے شراب بھی پیمانہ جب نہ ہو — ذوقِ دلی نہیں ہے تو شوقِ دلی نہیں
جس کو علاوہ اپنے نہ ہو دوسرے سے کام — انساں ہو شکل میں وہ مگر آدمی نہیں

گُلشنؔ سُنا دے اُن کو جنھیں ذوقِ شعر ہے
جو دل نہ چھین لے وہ کوئی شاعری نہیں

(۴۴)

کچھ تو باعث ہے جو یوں بیگانۂ فریاد ہیں — بے پر و بالی پہ بھی ہم عاشقِ صیّاد ہیں
خواہشوں کی قید میں محبوس ہیں سب خاص و عام — دام میں دُنیا کے پھنس کر یہ کہاں آزاد ہیں
رہ گئی ہے اک کہانی یادگارِ حُسن و عشق — اب زمانے میں کہاں شیریں کہاں فرہاد ہیں
بھول کر خود کو خدا کو یاد رکھنا تھا ہمیں — چال اُلٹی چل کے لیکن خانماں برباد ہیں
ہے سمجھ کا پھیر سارا عقل سے کچھ لیجئے کام — دیکھیے دُنیا کے جو جھگڑے ہیں بے بُنیاد ہیں
دل کسی کا بھی دُکھانا مہرباں اچھا نہیں — پائیں گے کرنی کا پھل وہ جو ستم ایجاد ہیں
سیکھ لیں ان سے سبق زندہ مثالیں ہیں یہ سب — اپنے حق میں حاتم و نوشیرواں اُستاد ہیں
نیک سیرت سے جِلا پاتی ہے صورت دہر میں — زیب و آرائش زمانے کے غلط ایجاد ہیں
کیوں نہ ہوں دل شاد وہ جو پیشتر ناشاد تھے — بادۂ اُمید کے میخانے سب آباد ہیں

محفلِ دنیا سجی ہی کی سجی گلشنؔ رہی
چل دیے جو اُنکی کس کو داستانیں یاد ہیں

(۴۵)

اس جہانِ رنگ و بو میں یوں تو کیا ملتا نہیں
ڈھونڈنے پر بھی مگر ذوقِ وفا ملتا نہیں

دل سا رہبر ہے مگر بختِ نگوں کو کیا کروں
خضر مل جاتے ہیں رستے کا پتا ملتا نہیں

ایک دل وہ بھی نہیں اپنا کریں تو کیا کریں
آشنا بھی اب بہ شکلِ آشنا ملتا نہیں

رہبرِ کامل یہی ہے آدمی کے واسطے
عقل سے بہتر جہاں میں رہنما ملتا نہیں

اپنے مطلب کی ہے دُنیا ہیں بشر اہلِ غرض
درد ملتا ہے مگر درد آشنا ملتا نہیں

واہ رے ذوقِ ہوس اللہ رے رنگِ خودی
اب تو ساقی بیخودی میں کچھ مزا ملتا نہیں

کیا کہوں کیونکر کہوں کس سے کہوں حیران ہوں
مجھ سے لاکھوں تجھ سا کوئی دوسرا ملتا نہیں

لاکھ چاہو لاکھ مانگو بیش و کم ہو کیا مجال
جو ہے قسمت میں لکھا اُس سے سوا ملتا نہیں

گلشنِ عالم نے کُلشن رنگ بدلے سیکڑوں
رنگ اپنا ہر روش سے ہے جدا ملتا نہیں

(۴۶)

پوچھو نہ ہم سے کون ہیں کیا ہیں کہاں کے ہیں
ناکردۂ خیال و نظر ہیں جہاں کے ہیں

کہہ دیں اگر ہیں گُل تو گُلستاں کا کیا پتا
بُلبُل کہیں تو کیا کہیں کس آشیاں کے ہیں

ادراک جب نہیں ہے تو پھر اعتقاد کیا
کیا پوچھتے ہو ہم سے کہ کس آستاں کے ہیں

چھپتے نہیں چھپائے سے آثارِ بے خودی
رخ پہ اثر عیاں ترے شوقِ نہاں کے ہیں

جب دل میں اور زباں میں کوئی ربط ہی نہیں
بے کار حوصلے مری آہ و فغاں کے ہیں

نا منصفی دروغ تکبر حسد نفاق
باتیں یہ سب ضمیر میں اہلِ جہاں کے ہیں

ہے ان کو اپنی فکر نہ اللہ کا لحاظ
چکّر میں جو پڑے ہوئے عشقِ بُتاں کے ہیں
عبرت سے دیکھ باغِ جہاں کے گلوں کا رنگ
پھر اُس کی کر تلاش یہ جس باغباں کے ہیں
گلشنؔ ذرا نگاہِ تجسّس سے کام لے
"دامن میں میرے پھول یہ کس بوستاں کے ہیں"

۹

(۴۷)

عجب نیرنگیاں دیکھیں جنونِ فتنہ ساماں میں
کبھی گھر میں بیاباں ہے کبھی گھر ہے بیاباں میں

فنا میں ہے بقا اور آفرینش اس کی حامی ہے
یہی ہے درد کا درماں وہی ہے درد درماں میں

نہ گھبرا عیش کے مفقود کبھی رنج و مصائب سے
کہ راحت کا نہاں ہے راز غم کے ساز و ساماں میں

بہارِ عیش کا آخر خزانِ غم پہ ہوتا ہے
یہی پژمردہ گُل کہتے ہیں بلبل سے گلستاں میں

وہ گُل بے کار ہیں جن میں نہیں ہے نام کو خوشبو
مئے الفت سے خالی دل ہو کیوں دنیائے امکاں میں

مثالِ آب و روغن ہم جدا رہتے ہیں آپس میں
تعلق چاہیے ایسا کہ جیسا ہے تن و جاں میں

جہاں کے آئینے میں مجھکو یہ صورت نظر آئی
کہ جو ہے مبتلا ہے اک نئے حالِ پریشاں میں
کسی کو واسطہ کیا ہے مری طاعت شعاری سے
کوئی رہزن کسی کا کیوں ہو راہِ دین وایماں میں
سمجھ کا پھیر یا ہمت کی کوتاہی ہے سب ورنہ
نہ کچھ مشکل ہے مشکل میں نہ آسانی ہے آساں میں
کسی نے بھی نہ کی تکمیلِ درسِ عشق اے گلشن
ہوا کامل نہ کوئی باغِ ہستی کے دبستاں میں

۱۰

(۴۸)

خواہشیں ہم کو مٹانی آگئیں — ہے خدا کی مہربانی آگئیں

جب خدا سے منحرف ہم ہوگئے — آفتیں بھی ناگہانی آگئیں

خارِ غم سے مجھ کو ہو کیوں واسطہ — دِل کی جب کلیاں کھِلانی آگئیں

دل کی جب ہم پر حقیقت کھُل گئی — راز کی باتیں بتانی آگئیں

کام تکمیلِ تصوّر کر گیا — بستیاں دل کو بسانی آگئیں

ہم وہیں سمجھیں گے اپنے فرض کو — بگڑی باتیں جب بنانی آگئیں

امتحاں کوئی نہیں باقی رہا — آفتیں جتنی تھیں آنی آگئیں

وہ ہوا اپنا ہوئے جب اُس کے ہم — ہم کو تقدیریں ملانی آگئیں

کیوں کہیں گلشنؔ سخن ہم بے محل
ہم کو باتیں آزمانی آگئیں

(۴۹)

اس طرح اُس نے لے لیا اپنی پناہ میں
مَیں شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

سُن لو سبق جو ملتا ہے اس درس گاہ میں
خود کو بُھلا کے کام کرو حق کی راہ میں

اللہ یاد آتا ہے حالِ تباہ میں
طاعت ہے جب نہ بُھولے کوئی عزّ و جاہ میں

دیکھیں گے ہم لکھا ہے جو بخت سیاہ میں
پہلا سا نُور اب نہ رہا مہر و ماہ میں

مالک یہ دل کا اور وہ دل کا غلام ہے
کتنا ہے فرق دیکھیے درویش و شاہ میں

کس طرح میل خضر و سکندر کا نبھ سکے
جب راہبر ہی آپ ہو گُمراہ راہ میں

دامِ بلا نہ تھی غمِ اُلفت کی وہ رسن
لوٹا عجیب لطف تھا یوسف نے چاہ میں

محشر بپا ہو، شق ہو زمیں، آسماں ہلے
ایسا اثر ہے درد بھرے دل کی آہ میں

افعالِ زشت و خوب کی جب ہے سزا جزا
توبہ کو دخل کیا ہے کسی کے گناہ میں

ظاہر نہ اپنے وقت سے پہلے ہو روزِ حشر
بس یہ دعا ہماری ہے اُس بارگاہ میں

شاعر کے خوش کلام ہے گُلشن کے شعر کو
نسبت وہ ہے جو ہوتی ہے اک کوہ و کاہ میں

(۵۰)

عشرت و عیش و طرب کا گیت جو گاتا ہوں مَیں
اس بہانے سے دلِ محزوں کو بہلاتا ہوں مَیں

مجھکو دُنیا سے فقط یہ رہ گیا ہے واسطہ
وہ لہو پیتی ہے میرا اس کا غم کھاتا ہوں مَیں

دل ہے مقیاس المحبّت عالِم ادراک میں
جس سے جھوٹی سچی الفت جانچتا جاتا ہوں مَیں

کیا کہوں کس سے کہوں مَیں کیا ہے عشق و عاشقی
اک حقیقت ہے وہ اکثر جس کو کہہ جاتا ہوں مَیں

عبرت افزا ہے ہوائے دہرِ فانی کچھ نہ پوچھ
کوئی سنتا ہی نہیں ہر چند سمجھاتا ہوں مَیں

ایک وہ ہیں ملنے والوں سے کبھی ملتے نہیں
ایک مَیں ہوں مجھ سے جو ملتا ہے مل جاتا ہوں مَیں

جو پڑی افتاد مجھ پر وہ اُٹھائی عمر بھر
شکوۂ جورِ فلک لب پر نہیں لاتا ہوں مَیں

خواہشیں سب ہو چکیں پوری محبت میں مگر
ایک حسرت دید کی دل میں لیے جاتا ہوں مَیں

اُف رے ذوقِ جستجو اللہ رے جوشِ تلاش
ڈھونڈتا ہوں جب اُسے اپنے میں پا جاتا ہوں مَیں

آنے جانے کی نہیں فرصت مجھے گلشنؔ مگر
کیا کہوں احباب کے کہنے میں آ جاتا ہوں مَیں

(۵۱)

یہ تو سچ کہتے ہیں جو کچھ بخدا کہتے ہیں
کیا بھلا سچ کے سوا اہلِ وفا کہتے ہیں

طالبِ نام و نشاں کیوں ہے بقا کا خواہاں
ہم تو اس دہر کو اک دارِ فنا کہتے ہیں

ہوتا احساس تو کیوں طرزِ عمل یہ ہوتا
فعل کچھ اور ہے اور بات جدا کہتے ہیں

عیب پر ڈال کے پردے کو بڑھاتے ہیں گناہ
اور اس کام کو پھر حق کی رضا کہتے ہیں

یہ فراموشیِ احساں جو نہیں ہے تو ہے کیا
وہ بھلا کرتے ہیں ہم اُن کو بُرا کہتے ہیں

آزمائش کو ہے انساں کی مصائب کا ہجوم
سب جفا کہتے ہیں ہم اُس کو عطا کہتے ہیں

وہ بُرا کرتے ہیں کہتے ہیں جو اچھوں کو بُرا
جو بھلا کرتے ہیں وہ سب کو بھلا کہتے ہیں

سُنتے ہیں اپنے ہی مطلب کی وہ کیا اُن سے کہیں
کہتے جاتے ہیں مگر دیکھیے کیا کہتے ہیں

بخت ہیں ہوتی ہے جو مُنہ سے نکلتی ہے وہ بات
گرچہ معلوم نہ ہو ہم کو کہ کیا کہتے ہیں

یہ اگر ہو نہ تو ہر چیز تہ و بالا ہے
دین و ایماں ہی کو دُنیا کی بنا کہتے ہیں

صبر اور شکر کرو خوش رہو جس حال میں ہو　　اس کو ہر درد کی دُنیا میں دوا کہتے ہیں

جو نہیں قائلِ تاثیرِ دُعا کیا جانے　　کیا دعا ہوتی ہے اور کس کو دُعا کہتے ہیں

زندگی بات ہے دو دن کی اسے ہنس کے گذار

بات گلشنؔ یہی سب شاہ و گدا کہتے ہیں

۱۳

(۵۲)

یاروں سے آجکل کے نبھیں یاریاں کہاں
باقی ہیں اب زمانہ میں خودداریاں کہاں

اپنے سوا کسی کو نہیں اب کسی سے کام
انساں میں نہیں پہلے یہ خودداریاں کہاں

اہلِ نگاہ اب نہیں کوئی جہان میں
آنکھوں میں رہ گئی ہیں وہ بیداریاں کہاں

پہلے حیا و شرم سے تھا ہر حسیں کو کام
اب اُس روش پہ ہوتی ہیں دلداریاں کہاں

ساحل کی ہے تلاش نہ ہے ناخدا کی فکر
کشتی کی رہ گئیں وہ نگہ داریاں کہاں

قسمت کے آگے عاقل و ناداں ہیں ایک سے
فہم و ذکا کی اب وہ خرد کاریاں کہاں

جی بھر کے سیر کیجیے گلزارِ دہر کی
گلشن خزاں میں ہونگی یہ گلکاریاں کہاں

ے

(۵۳)

"نہیں" میں موت ہے اور زندگی ہے اُسکی اک "ہاں" میں

وہی ہے درد کا درماں وہی تاثیر درماں میں

نہ گھبرا عیش کے مفتوں کبھی رنجِ فراواں سے

کہ راحت کا ہے پنہاں راز غم کے سازوساماں میں

بہارِ عیش کا آخر خزانِ غم پہ ہوتا ہے

یہی پژمردہ گُل کہتا تھا بُلبل سے گلستاں میں

جو گُل ہیں خوشنما اُن میں نہیں ہے نام کو خوشبو

محبت سے ہیں خالی دل کے ساغر بزمِ دوراں میں

یہ کہہ دو نکتہ چیں سے نکتہ چینی کرنے سے پہلے

ذرا مُنہ ڈال کر دیکھے تو خود اپنے گریباں میں

جہاں پر جو ہے، منزل ہے وہی اُس کی ترقی کی

مُخل کوئی کسی کے کیوں ہو راہِ دین و ایماں میں

سمجھ کا پھیر ہے اُس کی نہ سمجھے گر کوئی انساں
نہ کچھ مشکل ہے مشکل میں نہ کچھ آساں ہے آساں میں

تعمّق کی نظر سے دیکھنے پر ہوگا یہ روشن
جو تھا تختِ سلیماں میں وہ تھا بختِ سلیماں میں

فقیری میں ہے تکیہ مسندِ دل پر قناعت کا
ہَوا و حرص کی دُنیا بسی ہے مغزِ سلطاں میں

جہاں کے آئنہ خانے کی ہیں صد رنگیاں کیا کیا
کوئی گریاں کوئی خنداں کوئی حالِ پریشاں میں

اگر ہوں ایک ہی سی منزلِ مقصود کی راہیں
تو کیا باقی رہیگا فرق ہندو و مسلماں میں

خوش اخلاقی خوش اطواری و جوش و عزم و پامردی
یہی اوصاف ہونے چاہئیں ہر ایک انساں میں

ہمیشہ دل میں تیری یاد رکھوں گا قیامت تک
بُھلانا تو نہ مجھ کو ہو جہاں تک تیرے امکاں میں

خدا کی یاد میں رقصاں قلم دیکھا زباں دیکھی
دہن میں وہ ثناگر کے یہ ہے دستِ ثناخواں میں
نہیں خونِ جگر کھانے سے کم اشعار کا کہنا
سخن کا لطف آتا ہے سخنہائے زباں داں میں
ادھورا رہ گیا گلشنؔ سبق سب کا دمِ آخر
کوئی کامل نظر آیا نہ دُنیا کے دبستاں میں

۱۶

(۵۴)

کچھ نہیں ہوں ایک بھولے وقت کی میں یاد ہوں
پائمالِ جورِ گردوں خوگرِ افتاد ہوں

منحصر ہے چند سانسوں پر حیاتِ بے مدار
کچھ نہیں بنیاد جس کی میں وہ بے بنیاد ہوں

کشمکش میں ہوں پڑا تقدیر اور تدبیر کی
کس طرح سمجھوں کہ قیدِ غم سے میں آزاد ہوں

دل کی اک اک آرزو میرے لیے اک دام ہے
دل پہ مل جائے اگر قابو تو بس آزاد ہوں

پھول بھی ہوں خار بھی گلشن میں یہ صورت ہے مری
کیا کہوں باغِ جہاں میں شاد یا ناشاد ہوں

(۵۵)

دُنیائے عاشقی میں ذرا بیش و کم نہیں — یاس و امید کی خلش ہے تو ہم نہیں
اُن کی نگاہِ ناز بھی ناوک سے کم نہیں — ابرو کا اک اِشارہ ہے تیغِ دو دم نہیں
ہر گفتگو ہو صاف تو ہو پھر خیال پاک — زیبا بشر کی بات میں یوں پیچ و خم نہیں
خدمت میں جان جائے تو ہے عینِ زندگی — آبِ خضر کی شان ہو جس میں وہ سم نہیں
جو دیکھنا ہے تجھکو اسی میں تلاش کر — خود اپنے دل سے بڑھ کے کوئی جامِ جم نہیں
دُنیا میں اعتبار فقط سیم و زر سے ہے — کچھ قدر ہی نہیں ہے جو دام و درم نہیں
ہر غم کے بعد جب ہے خوشی اس کے بعد غم — پس جو خوشی ہے ہم کو کبھی غم سے کم نہیں
تجھکو اگر ہے منزلِ مقصود کی تلاش — راہِ غلط میں ٹھیک اُٹھانا قدم نہیں
دولت جو علم کی ہے بڑی لازوال ہے — جس مال کو زوال ہو یہ وہ رقم نہیں

موقوف ہیں نگاہ پہ گلشن حقیقتیں
دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

(۵۶)

سُن لے یہ رازِ دو جہاں مصرعۂ زر نگار میں
صورتِ ہستی و فنا دل کی ہے جیت ہار میں
ذکرِ خدا کی فکر میں صرف ہوئی نہ اک گھڑی
عمر گزر گئی تمام وقت کے انتظار میں
رنگِ جہاں بدل گیا گلشنِ بے خبر یہ دیکھ
بات ہی کچھ بہار کی اب نہ رہی بہار میں

۳

(۵۷)

چین دیتا ہی کبھی چرخِ ستمگار نہیں — کون سا دن ہے کہ یہ درپئے آزار نہیں
عیش میں محو ہیں جو اُن سے سروکار نہیں — خوابِ غفلت میں گرفتار ہیں بیدار نہیں
کیا کہیں اُن سے جو خود محرمِ اسرار نہیں — گو ہم آزاد نہیں پھر بھی گرفتار نہیں
ہم کو دُنیا کا نرالا نظر آیا یہ چلن — ایک سے ایک کی ملتی کبھی رفتار نہیں
اپنی حالت پہ تاسف سے نظر کرتے ہیں — ہیں تو مختار مگر خاک بھی مختار نہیں
قدرِ نعمت کی ہوا کرتی ہے کھو جانے پر — لطفِ صحت کا وہ کیا جانے جو بیمار نہیں
دوست سب کہنے کے ہیں آپ اگر غور کریں — اب زمانے میں کسی کا کوئی غمخوار نہیں
زخم جو دل کو دیا کرتی ہے مقراضِ زباں — میں نے اس کاٹ کی دیکھی کوئی تلوار نہیں
خود بُرے ہیں جو یہ کہتے ہیں زمانہ ہے بُرا — ہم زمانے کو بُرا کہنے کو تیار نہیں
جو گذر جائے گا پھر ہاتھ نہ آئے گا کبھی — وقت کو کھونا مناسب کبھی بیکار نہیں
خود ہی بازارِ جہاں میں نہ وہ رہ جائیگی — جنس ناقص کا اگر کوئی خریدار نہیں

جس کے دل میں تو ہے کچھ اور زباں پر کچھ اور ایسے انسان کی سچی کوئی گفتار نہیں

رکھ لیا آپ نے جب سر کو ہتھیلی پہ تو پھر کارِ مشکل نہ ہو آسان یہ دشوار نہیں

یہ تو دانا کے لیے خاص سبق ہیں گلشن

جی کے بہلانے کو ہر گز مرے اشعار نہیں

۱۴

(۵۸)

سب جسکو ڈھونڈھتے ہیں وہ جلوہ کہاں نہیں / اُس تک مگر پہنچتے ہی وہم و گماں نہیں

کہتا ہے کون جلوۂ وحدت عیاں نہیں / لیکن بیان کرنے کے قابل زباں نہیں

دُنیا عذاب و رنج و مصائب کا نام ہے / سچ پوچھئے تو کوئی یہاں شادماں نہیں

جو ہو رہا ہے دیکھ رہے ہیں نظر سے ہم / دُنیا کے واقعات غلط داستاں نہیں

ہر شخص کی ہے بات الگ رائے ہے جُدا / کوئی شریکِ کار کسی کا یہاں نہیں

قوموں کا اختلاف بڑا ہی عذاب ہے / کچھ ہو اثر نہ جن کا یہ وہ آندھیاں نہیں

دل میں ہزاروں باتیں ہیں اور لب پہ مُہر ہے / خاموش یوں ہیں ہم کہ کوئی رازداں نہیں

اُس باغ کا خدا ہی ہے حافظ جہان میں / جس کا دکھائی دیتا کوئی باغباں نہیں

جن کا اثر زباں سے نہ دل تک پہنچ سکے / دیتیں ذرا بھی کام وہ آہ و فغاں نہیں

آئی خزاں بہار کی سب رونقیں گئیں / گلشن میں آشیانوں کے بھی اب نشاں نہیں

مَیں ہو گیا ہوں دہر کی حالت سے آشنا
گلشنؔ کسی کی بات مجھے اب گراں نہیں

و

(۵۹)

اے بلبلِ خوش لہجہ وہ نغمہ سُنا مجھکو
ہر زمزمے پر جس کے ہو کیف سوا مجھکو

اے دل رہِ اُلفت کے آداب سکھا مجھکو
اس قیدِ تعیّن سے آزاد بنا مجھکو

تدبیر بہت کر لی تقدیر نہیں بدلی
جس سے کہ بنے بگڑی وہ راز بتا مجھکو

جب دیکھ رہا ہوں مَیں اپنے میں تجھے ہر دم
تو دیکھ رہا ہے کیوں اپنے سے جُدا مجھکو

تُو دل میں سمایا ہے تو آنکھوں میں چھایا ہے
کیا کوئی نظر آئے پھر تیرے سوا مجھکو

تو مجھکو نظر آئے مَیں تجھکو نظر آؤں
اے مظہرِ کُل ایسا آئینہ دکھا مجھکو

اس بھول بُھلیاں میں کس کو ہے خبر کس کی
مَیں آپ ہی خود گُم ہوں پھر کس کا پتا مجھکو

نیرنگیِ عالم کو میں خوب سمجھتا ہوں
یہ دارِ فنا اے دل ہے مُلکِ بقا مجھکو

اے جلوۂ یکرنگی یہ رنگِ دوئی کیسا　　بن میرے دل وجاں کا یا اپنا بنا مجھکو
یہ دل ہی گلستاں ہے یہ دل ہی بیاباں ہے　　اس اُجڑے ہوئے گھر سے کیا کیا نہ ملا مجھکو
اے عشق مجھے لے چل تُو عالمِ بالا میں　　اب راس نہیں آتی دُنیا کی ہَوا مجھکو

کیا رنگِ تغزّل ہے کیا حُسنِ معانی ہے
گلشنؔ نہ ملا تم سا شاعر بخدا مجھکو

۱۲

(۶۰)

مالکِ تقدیر کہیے صاحبِ تدبیر کو
گر جگا دے عالمِ خفتہ کی وہ تقدیر کو

کتنا ہی چاہے چھپا سکتا نہیں انساں کبھی
اپنے صحبت کے اثر کو تخم کی تاثیر کو

پاک کہہ سکتے نہیں ہیں اُس بشر کو ہم کبھی
دھو نہ لے جب تک وہ اپنے داغِ دامنگیر کو

قربِ حق سے بہرہ ور ہیں سالکانِ راہِ حق
خاک پا سے اُن کی کیا نسبت بھلا اکسیر کو

چھوٹ جانا غم کے ہاتھوں سے کوئی مشکل نہیں
توڑ دے قیدِ تعلق کی اگر زنجیر کو

سُننا اور پڑھنا ہے سب بے سود اگر سمجھا نہیں
حاصلِ تقریر کو اور معنیِ تحریر کو

کیسے کیسے ہیں کھلے خوش رنگ و خوشبودار گُل
دیکھیے تو چل کے اک دن گُلشنِ کشمیر کو

(۶۱)

سما کر میرے سینے میں نگاہوں سے نہاں کیوں ہو
ہم آغوشِ محبت ہو کے تم دامن کشاں کیوں ہو

زبان و دل اگر دو ہیں محبت ہو نہیں سکتی
بہ یکجان و دو قالب ہوں تو شکوہ برزباں کیوں ہو

خدا ایسا کرے ظالم ہی مٹ جائے زمانے سے
نہ ہو جب ظلم تو مظلوم کی اُونچی فغاں کیوں ہو

اگر اخلاق و ہمت کی ذرا بھی شان ہے تم میں
سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ پھر تم ناتواں کیوں ہو

رہیں انسان کے افعال اور اعمال اگر اچھے
تو دُنیا میں گرفتارِ بلائے ناگہاں کیوں ہو

صفائی دل پہ غالب ہو تو پھر پردا نہیں رہنا
نہ اس آئینہ میں پیدا نشانِ بے نشاں کیوں ہو

اگر فریاد ہی بندوں کی اپنے تم نہیں سُنتے
تمھیں انصاف سے کہہ دو خدا اے دو جہاں کیوں ہو

ہیں سب باتیں بناوٹ کی ہیں سب گھاتیں لگاوٹ کی
نہیں ہے تو نا جب اس کا پھر ترا ہندوستاں کیوں ہو

فرائض چاہتے ہو جب خموشی سے ادا کرنا
تو دُنیا بھر میں پھر ان کی نمائش کی دُکاں کیوں ہو

اگر کارِ نُمایاں کچھ جہاں میں کر لیے تم نے
زباں زد پھر نہ دنیا میں تمھاری داستاں کیوں ہو

یہی تو ایک نکتہ ہے سمجھ لے تو اگر گلشن
شکر دی ہے تجھ میں تو مرا کہنا گراں کیوں ہو

(۶۲)

بہت سن لی، کریں کیا سن کے ہم، جھوٹی کہانی کو
بتاؤ تو، ہے کس دل میں محبت جانفشانی کو

بڑھائیں گے محبت، کب بڑھے گی، کون دیکھے گا
سمجھتے ہیں وہ شاید جاودانی زندگانی کو

نہیں ہوتی، نہیں ہوتی محبت، بے کیے پیدا
محبت میں نہیں ہے دخل اقوالِ زبانی کو

محبت گھٹتے گھٹتے گھٹ گئی اتنی کہ دنیا میں
رہا ہے نام کا ملنا ہی باقی بے نشانی کو

مسیحا کب ہے وہ، درماں طلب جس سے ہے بے درماں
نہ پہچانے جو اہلِ درد کے دردِ نہانی کو

نتیجہ کیا بڑھاپے میں اگر آنکھیں کھلیں اپنی
لٹا یا عیش و عشرت میں متاعِ نوجوانی کو
یہ ہستی ہے حباب آسا انہیں اس کی خبر کیا ہے
سمجھتے ہیں جو مُلکِ جاودانی دارِ فانی کو
اثر دل پر نہیں ہوتا ہے اُن کے رنج و راحت کا
جو یکساں جانتے ہیں اِبتلا و شادمانی کو
وہ لاثانی ہے جیسا اُس کے بندے بھی ہیں ویسے ہی
نہیں دیکھا ہے دنیا میں کسی کے ہم نے ثانی کو
نہ نکلا کام جب تدبیر سے کوئی زمانے میں
تو قسمت ہی پہ چھوڑا بینوا نے کامرانی کو
زمین و آسماں گردش سے رُک جائیں یہ ممکن ہے
مگر کب کس نے روکا ہے طبیعت کی روانی کو

مقدر بھی ہے اک حالت مگر کب دیر لگتی ہے
خدا کی قہرمانی یا خدا کی مہربانی کو

جو چاہے اور نہ پائے اُس کی حالت کا یہ نقشہ ہے
ترستی جس طرح ہو ماہی بے آب پانی کو

یہ گلشن وہ ہیں جو صحرا کو بھی کر دیتے ہیں گلشن
نہ سمجھا کوئی اب تک شاعروں کی باغبانی کو

۱۴

(۶۳)

وہ بات نہ کہہ جس پہ عمل خود نہ کیا ہو ۔۔۔ کیا ذکر محبت کا اگر دل نہ ملا ہو
گلہائے محبت سے اگر دل نہ سجا ہو ۔۔۔ بے رونقیِ خانہ میں کیا خاک مزا ہو
پابندِ فرائض کے لیے شرط یہی ہے ۔۔۔ جو فرض مقدّم ہے وہی پہلے ادا ہو
دُنیا میں الگ سب سے رہے سب سے ملا بھی ۔۔۔ تالاب میں پانی سے کنول جیسے جُدا ہو
مل جاتی ہے بے خواہشِ دل نعمتِ دُنیا ۔۔۔ جس سالکِ عقبیٰ کو دلی ترکِ ہوا ہو
یک جان و دو قالب کا نظارہ ہے اسی میں ۔۔۔ ہم اُسکے ہوں اور وہ بھی ہمارا ہی ہوا ہو
دُنیائے محبّت کی عجب ریت ہے اُلٹی ۔۔۔ دل دُزد تو معشوق ہو عاشق کو سزا ہو
کُندن کی طرح ہوتا ہے روشن وہ جہاں میں ۔۔۔ عاشق جو مصیبت میں گرفتارِ بلا ہو
پرکھا نہیں جاتا ہے کھرا کھوٹا کوئی بھی ۔۔۔ جب تک کہ کسوٹی پہ سخن کی نہ کسا ہو
زینے پہ ترقی کے پہنچ جاتے ہیں گر کر ۔۔۔ یہ ضرب مگر سخت ہے جو چڑھ کے گرا ہو

خوش چاہو اگر رکھنا کسی کو تو سہو رنج　　شکوہ ہو شکایت ہو کسی سے نہ گلا ہو
کس نام و نشاں پر کوئی کیا جان کے مٹ جائے　　وہ نام و نشاں ہی نہیں جو مٹ نہ گیا ہو
یہ دل کی صدا کان سے تو دل کے سنے جا　　تو سب کا بھلا چاہے تو تیرا بھی بھلا ہو

کیا بخشو گے کچھ جھوٹ کہے بات جو گلشن
سچ بات کے کہدینے سے جب اتنے خفا ہو

۱۴

(۶۴)

گلزار آئینہ ہے عروسِ بہار کو — حیراں ہے اپنے دیکھ کے نقش و نگار کو

ہم نے جہاں میں شادی و غم پائے اس طرح — دامانِ گُل میں دیکھا ہے جس طرح خار کو

تقدیر جب بُری ہو تو تدبیر کیا کرے — کوئی کبھی نہ روک سکا ہونہار کو

گنجینۂ حق کے راز کا ہے قفلِ دل سے بند — ملتا کلیدِ عشق سے ہے راز دار کو

سیرِ جہاں سے سیر نہ ہو دل تو کیا کرے — دیکھا ہے اس نے جلوۂ دیدارِ یار کو

قدرت کا راز جان کے انجان بن کے رہ — واجب نہیں ہے پردہ دری پردہ دار کو

بیتاب کر دیا ہے اُسے شوقِ دید نے — سمجھاؤں کس طرح دلِ بے اختیار کو

اچھا کہو بُرا کہو گلشنؔ کو کیا غرض

خدمت سے اپنی کام ہے خدمتگذار کو

(٦٥)

کیا لطفِ زندگی ہے، اگر مدعا نہ ہو　　رہرو ضرور بھٹکے گا، جب رہنما نہ ہو

اُمید سے لگائیے دل، کس اُمید پر　　کل کی خبر ہے کس کو [illegible] کیا نہ ہو

دل مثلِ آئینہ ہے مصفا، تو یہ بھی دیکھ　　آوازِ غیب اپ[illegible] دل کی صدا نہ ہو

حاصل نہ ہوگا، کوئی بھی مقصد، تمام عمر　　جب تک کہ شامل اس میں خدا کی رضا نہ ہو

وہ ہے غفور، بخش تو دیگا، مگر ہے شرط　　پہلی خطا [illegible] خطا نہ ہو

اس بیخودی سے، ہم نے خدا کو بھلا دیا　　ایسا نہ ہو، تو ایک بھی نازل بلا نہ ہو

دل درد سے جدا ہے تو گلشن مزا ہے کیا

اُس درد میں ہے لطف، جو دل سے جدا نہ ہو

ی

(۶۶)

محبّت کی اگر کچھ بھی حقیقت دل نشیں ہوتی
تمہاری ہر ادا عاشق کو ہمّت آفریں ہوتی

نہیں رہتی ہے قول و فعل میں یکسانیت اکثر
زباں پر بات جو ہوتی ہے وہ دل میں نہیں ہوتی

محبّت چھپ نہیں سکتی چھپانے سے زمانے میں
کلی جب باغ میں کھلتی ہے کیا خوشبو نہیں ہوتی

وہ ہستی کیسی ہستی ہے جو کثرت میں بھی وحدت ہے
وہ عالم کون سا عالم ہے جس میں وہ نہیں ہوتی

خدا کو سونپ دیتے ہیں دل و جاں جو سمجھتے ہیں
رضا مالک کی ہوتی ہے خوشی اپنی نہیں ہوتی

سخندانوں کی صحبت کا یہ فیضِ خاص کیا کم ہے
خلافِ عقل ہی ہر بات دانش کے قریں ہوتی

اگر علم و عمل سے کام لیتا کوئی دُنیا میں
گلُوں کا چرخ وہ بنتی جو خاروں کی زمیں ہوتی

یہ دُنیا کچھ نہیں اک مزرعِ تحصیل و حاصل ہے
عمل کا تخم بونے سے زمیں بھی ہے زمیں ہوتی

مصیبت میں خدا کا ذکر شغلِ مے ہے عشرت میں
حقیقت عقل و دانش کی نمایاں ہی نہیں ہوتی

نشاں اہلِ دوَل کے کچھ ابھی باقی ہیں عالم میں
مکاں کو دیکھ کر ظاہر نہ کیوں شانِ مکیں ہوتی

سُنا دیتا فسانہ مَیں کسی کو دردِ اُلفت کا
زبانِ ترجمانِ دل میسر کیوں نہیں ہوتی

تلاشِ حق میں ہم کیوں یوں بھٹکتے دربدر گلشنؔ
جو اپنے آستانِ دل ہی پر اپنی جبیں ہوتی

(۶۷)

داستاں دردبھرے دل کی چھپائی نہ گئی
آگ سینے میں لگی وہ کہ بجھائی نہ گئی

بخت برگشتہ سے تا زیست لڑائی نہ گئی
بات تدبیر سے کوئی بھی بنائی نہ گئی

صرف کاغذ ہی پہ رہتی ہے نمائش جسکی
ایسی دولت کہیں ہاتھوں میں نہ آئی نہ گئی

نہ ہوا دل پہ کوئی پند و نصیحت کا اثر
حُسنِ تدبیر سے قسمت کی بُرائی نہ گئی

ہوتی ہر شخص کی ہے بات الگ رائے جُدا
ہاں میں ہاں اُن کی کبھی ہم سے ملائی نہ گئی

ایک رُخ جس کا نگاہوں کے لیے تھا خوش رنگ
دوسرے رُخ سے وہ تصویر دکھائی نہ گئی

جس پہ ضد اور تشخص نے جمایا قبضہ
پھر طبیعت وہ کبھی راہ پہ لائی نہ گئی

صحبتِ بد کا اثر اُن پہ ذرا بھی نہ ہوا
جو طبیعت میں سمائی وہ بھلائی نہ گئی

کچے نھے کان کے، دشمن کی کہی خوب سُنی
جم گئی بات جو دل میں وہ ہٹائی نہ گئی

اپنا سمجھے تھے جسے ہم، وہ رہا غیر مدام
نہ ملا دل، کسی صورت سے جُدائی نہ گئی

دوست کے ساتھ بُرائی کا بھلا ذکر ہے کیا
ہم سے اغیار کی بھی خاک اُڑائی نہ گئی

سینکڑوں صورتیں دُنیا میں بنیں اور مٹیں
گلشن اللہ کی البتہ خدائی نہ گئی

(٦٨)

انساں کرے نہ خواہشِ سود و زیاں کبھی   پیدا نہ کر دے بے سروسامانیاں کبھی

انساں کو دل کی چاہیے اس طرح پرورش   سر پر پڑیں تو جھیل سکے سختیاں کبھی

رنگِ خزاں میں ڈوبی بہاروں کو دیکھیے   کیا جانے رنگ کیا ہو جو آئے خزاں کبھی

نخلِ وفا کو آبِ محبت سے سینچ کر   دیکھو شگفتہ گلشنِ ہندوستاں کبھی

اُلفت سے دل کو ہوتی ہے الفت جہاں میں   لائیں اگر نہ رنگ یہ خودداریاں کبھی

رنگِ دوئی بھی ہے اگر قول و فعل میں   رسوا کرے گی دہر میں اپنی زباں کبھی

رنگِ دوئی دکھاتا ہے نیرنگِ عاشقی   شوقِ بتاں کبھی ہے تو ذوقِ جناں کبھی

جھیلو گے سختیاں تو اُٹھاؤ گے راحتیں   ملتا نہیں ہے سود کہیں بے زیاں کبھی

جی بھر کے سیر کیجیے گلزارِ حُسن کی
گلشن ملیں گی پھر نہ یہ شادابیاں کبھی

(٦٩)

شکایت ہم کو اپنی ہے نہیں ہے کچھ زمانے کی
مقدّر کی شکایت صرف باتیں ہیں بہانے کی

ہوائے دہر سے قلبِ بشر ہے مُنقلب ایسا
تمیز اب ہو نہیں سکتی ہے بیگانے یگانے کی

کھرا کھوٹا پرکھنے کے لیے کستے ہیں سونے کو
مصیبت کی گھڑی ہوتی ہے ہر راحت آزمانے کی

موافق اپنے مطلب کے ہر اک گھڑتا ہے منصوبے
خبر لیکن نہیں اُس کو خدا کے کارخانے کی

سمجھتے ہیں زمانہ ہم سے جیسی چال چلتا ہے
مگر ہم چل نہیں سکتے وہی چالیں زمانے کی

ہُجومِ غم میں رونا ہے ہمیں اپنے مقدّر کا
مگر تدبیر کچھ کرتے نہیں اُس کے بنانے کی

اُجڑنا جب لکھا ہے ہاتھ سے صیّاد کے اک دِن
منائیں خیر کب تک بُلبلیں بھی آشیانے کی

صدا طوطی کی سُنتا کون ہے نقّار خانے میں
نوا گونجی ہوئی گلشن ہے دُنیا میں ترانے کی

(۷۰)

رہ کے دُنیا میں نہ دُنیا پہ ہو نازاں کوئی　　ہوگا پورا نہ کسی کا کبھی ارماں کوئی

رنگ لائے گی سرِ حشر عمل کی تاثیر　　کوئی خنداں نظر آئیگا تو گریاں کوئی

اُس کی رحمت نہ اگر شاملِ احوال رہے　　مشکلیں کر نہیں سکتا کبھی آساں کوئی

دل پہ قابو نہ اگر ہو تو یہ ممکن ہی نہیں　　رہ سکے بن کے یہاں صاحبِ ایماں کوئی

جسکو ہم دیکھتے ہیں دہر میں بیکس ہے وہی　　کون سی بات ہے پھر جس پہ ہو نازاں کوئی

دردِ اُلفت بھی مٹائے سے کہیں مٹتا ہے　　لاکھ کرتا رہے اس درد کا درماں کوئی

چھپ نہیں سکتی ہے خصلت کبھی اُسکی گلشن
ہو فرشتہ کہ ہو انساں کہ ہو حیواں کوئی

(٧١)

محفلِ شعر میں عشرت کی ہے دعوت میری
جس میں وہ خوش ہیں اُسی میں ہے مسرّت میری

آپ دل سے جو کیا کرتے ہیں عزت میری
یہ خراج آپ سے لیتی ہے محبّت میری

جب مجھے اہلِ کرم یاد کیا کرتے ہیں
اک کشش کرتی ہے محسوس طبیعت میری

دوسرا سمجھے گا کیا شانِ حقیقت کو بھلا
جب نہ ثابت ہوئی خود مجھ پہ حقیقت میری

جلوۂ خدمتِ حاصل کو غنیمت سمجھو
یاد آئے گی مرے بعد رفاقت میری

بے غرض ہے مرا جس سے ہے زمانے میں لگاؤ
کیوں کرے گی مجھے بدنام محبّت میری

وہی کرتا ہے جو بات آتی ہے جسکے دل میں
کون سُنتا ہے زمانے میں نصیحت میری

ایک ہی نقطہ خدا سے مجھے رکھتا ہے جُدا
ورنہ منصور سے کم ہوتی نہ قسمت میری

آپ کے جلوۂ رنگیں کی جھلک ہے اس میں
آئینہ بن گئی ہے دیکھیے حیرت میری

کام دُنیا کے کبھی ختم کسی سے نہ ہوئے
یہ غلط ہے کہ ہے دُنیا کو ضرورت میری

ہے مصیبت میں خدا ہی کا سہارا مجھ کو
ٹال سکتا ہے وہ ایک ایک مصیبت میری

جو مرے پاس ہے سب دینِ خدا کی سمجھو   نہ تو طاقت ہے نہ حکمت ہے نہ دولت میری
کام کرنے ہیں صلے کی نہ توقّع رکھنا   دل کا ہے قول یہی چاہیے خدمت میری
سحر کا کام کیا کرتے ہیں اچھے اشعار
کیا عجب دہر میں گلشن جو ہے شہرت میری

۱۴

(۷۲)

جو بات چاہیے ہونی تھی وہ کبھی نہ ہوئی
خودی نہ ترک ہوئی ہم سے بندگی نہ ہوئی

یہ زندگی کا فریب اور یہ طلسمِ جہاں
جو بات ظاہری دیکھی وہ باطنی نہ ہوئی

دیا خضر نے نہ آبِ بقا سکندر کو
خدا گواہ ہے یہ کوئی رہبری نہ ہوئی

سب اپنے غیر ہیں جو غیر ہیں سب اپنے ہیں
وہ بات ہوتی ہے دُنیا میں جو کبھی نہ ہوئی

فقط وہ دل ہے پرستش کا مُستحق جس میں
خوشی خوشی نہ ہوئی اور غمی غمی نہ ہوئی

نظر ہو اور طرف اور دل ہو اور طرف
ہماری ایسے فریبی سے دوستی نہ ہوئی

وہ وضع کیسی کہ کچھ جس کا ہو نہ دل پہ اثر
طبیعت ایسی وہ کیا جس میں سادگی نہ ہوئی

وہ بات کیا ہے جو تاثیر سے الگ ٹھہرے
کہانی کیا ہے وہ جو درد سے بھری نہ ہوئی

ہمارے دل میں تو گلشنؔ رہی یہی حسرت
کسی کے کام جو آتی وہ زندگی نہ ہوئی

(۷۳)

سُنی ہی جائے گی، جیسی کہی گئی ہوگی
کہی ہی جائے گی، جیسی کبھی سُنی ہوگی

بدلتی رہتی ہے، دُنیا کی یہ تو عادت ہے
کہ نا خوشی کہیں ہوگی کہیں خوشی ہوگی

وہ کون ہے، کہ جو معصوم ہو کے آیا ہے
وہ کون ہے، نہ خطا جس سے کچھ ہوئی ہوگی

خدا نے تم کو دیا، تم بھی مستحق کو دو
تمہارے مال میں اس سے نہ کچھ کمی ہوگی

کسی کی رہتی نہیں ایک حال پر دُنیا
ہمیشہ زر ہی رہیگا نہ بے زری ہوگی

جہاں میں ہوتا ہے ہر نام، کام سے روشن
بغیر کام کے عظمت نہ نام کی ہوگی

فضول بات زباں سے نکالنی ہے خطا
جو رازِ دل کو چھپائے وہ خامشی ہوگی

یہی ہے ظلم رُلائے بھی اور نہ رونے دے
جو آہ پڑ گئی مظلوم کی، بُری ہوگی

وہ چیز کیا ہے، جو گلشنؔ کبھی بدل نہ سکے
ہمیشہ رہنے کو، انساں کی راستی ہوگی

(٧٤)

نہ دَوڑی چھوڑ کر مرکز طبیعت چار سُو میری
رہی وابستۂ منزل ہمیشہ جستجو میری

زمانہ بھی نہ بدلے گا نہ بدلے گا چلن میرا
طبیعت صلح جُو ہو کر نہ ہو گی جنگجو میری

طبیعت کا چمن سینچوں گا جب آبِ محبت سے
کریگی رنگ پیدا خود جہاں میں خو و بو میری

محبت ہے اگر سچّی تو پھر دشوار ہی کیا ہے
مکاں سے لامکاں تک جائیگی پھر ہائے و ہُو میری

زباں ہے ترجمانِ دل تو دل آئینۂ باطن
صفائے قلب سے بڑھتی رہیگی آبرو میری

شرافت ہے صداقت ہے محبت ہے مروّت ہے
اِنھیں چاروں میں شامل ہے حدیثِ آرزو میری

دوئی کا جب ہٹا پردا تو پھر اک خاص جلوا تھا
جدھر دیکھا نظر تصویر آئی ہُو بہ ہُو میری

فضا ہے رنگِ گلشن کی بہارِ بے خزاں گلشن
جہاں میں کیا پھلی پھولی ہے شاخِ آرزو میری

٨

(۷۵)

رکھ یاد ہر دم موت کی، لے نامِ خالق ہر گھڑی
اس کے سوا مشکل تری آساں نہ ہوگی ایک بھی
کب ساتھ دے گا مال و زر اِترا نہ تو احباب پر
رہتی نہیں اے بے خبر حالت ہمیشہ ایک سی
لے سیکھ کچھ علم و عمل آتی ہے لینے کو اجل
یوں ہاتھ خالی تو نہ چل اچھی نہیں یہ مُفلسی
کوئی نہیں ہے گُل یہاں بے خار ہو جو، مہرباں!
غم سے نہ تو ہو نیم جاں قسمت سے ہے یہ بے بسی
دل کو نہ دُنیا سے لگا غدّار ہے دے گی دغا
وہ بن گیا نا آشنا جس سے بڑی اُمید تھی
تیرے سوا اپنا کہیں آتا نظر کوئی نہیں
بس آسماں ہے یا زمیں گُلشن کی ہے یا بیکسی

(۷۶)

نا اہل کو ہے عشق کے دریا میں خطر بھی
غوّاصِ خرد کو یہیں ملتا ہے گہر بھی

ہے امن کے ہمراہ زمانے میں خطر بھی
جس طرح سمندر میں ہے ماہی بھی مگر بھی

انسان کا ہر کام ہے ہمّت کے مطابق
ہوتا ہے جو دل میں وہی آتا ہے نظر بھی

قسمت سے زیادہ نہیں ملتا ہے کسی کو
پاتا ہے وہی اہل ہے جس شئے کا بشر بھی

بے سعی کے کچھ کام جہاں میں نہیں ہوتا
دہقاں کو مشقّت ہی سے ملتا ہے ثمر بھی

جو ہونے کو ہے ہو کے رہے گا وہ مقرّر
ہو جائیں اگر چرخ و زمیں زیر و زبر بھی

جس شخص کو دیکھو گے نظر آئیں گے اُس میں
تاثیرِ جبلّت کی بھی صحبت کا اثر بھی

کیوں کرتے نہیں توشہ فراہم کہ رہے ساتھ
اک روز جہاں سے تمھیں کرنا ہے سفر بھی

لازم یہ نہیں ترک کرو سارے علایق
کافی ہے جو ہو یادِ خدا ایک پہر بھی

بے اِذنِ الٰہی نہیں ہوتا ہے کوئی کام
بے حکم نہیں مارتے طائر کبھی پر بھی

انسان جو پابند رہے دین کا گلشن
تو لُطف سے ہو جاتا ہے دُنیا میں گزر بھی

(۷۷)

نہ کارواں ہے نہ وہ گردِ کارواں میری — جہاں میں کہنے کو باقی ہے داستاں میری

مسافرانہ ٹِکا ہوں سرائے ہستی میں — خبر نہیں مجھے منزل کی ہے کہاں میری

کسی کا ٹھیک نہیں آسمان ہو کہ زمیں — یہ سب ہی بدلیں گے بدلی نظر جہاں میری

دکھائی کچھ نہ دیا ہاتھ رہ گیا مل کر — کھُلی جو آنکھ پسِ خوابِ ناگہاں میری

قدم اُٹھے تو کہیں تھک کے بیٹھنا ڈھونڈا — سفر کی دُھن میں سُنے گا نہ کارواں میری

نشاں کسی کا ہمیشہ رہے یہ کیا ممکن — جہاں میں ہستیِ باطل ہے بے نشاں میری

دِن ایک ایسا بھی ہوگا نہ ہوں گا میں گلشنؔ
سبق سکھائے گی دنیا کو داستاں میری

(۷۸)

جب تیز ہوئی گرمی بازارِ محبت کی جو شخص ملا اُس نے عاشق سے شکایت کی
جب صدق و صفا چھوڑا انصاف سے مُنہ موڑا تصویر نظر آئی ہر سمت مصیبت کی
انسان کی فطرت ہے مامور فضاؤں سے اُفتاد سے پڑتی ہے بنیاد طبیعت کی
بازیچۂ طفلاں ہے ہر کام زمانے کا دو پل کے جہاں بیٹھے سوجھے گی شرارت کی
پھل اپنی ہی کرنی کا مل جاتا ہے انساں کو بیکار شکایت ہے پھوٹی ہوئی قسمت کی
جو راز سے واقف ہیں کچھ مُنہ سے نہیں کہتے رہتے ہیں خبر پاکر خاموش حقیقت کی
اندھے کے لیے دُنیا اک عیش کا ساماں ہے بینا کے لیے عالم تصویر ہے عبرت کی
وحدت میں نظر آیا کثرت کا کبھی جلوہ کثرت میں نظر آئی صورت کبھی وحدت کی
برسوں میں کہیں جا کر کچھ ہو گا تمہیں حاصل ٹھانو گے اگر دل میں تم آج سے خدمت کی
آرام کے طالب کو کلفت کی بھی زحمت ہے پوشیدہ مصیبت ہے ہر شکل میں راحت کی

بدلی ہے زمانے نے کروٹ جو ادھر گلشن
وہ بات بنی میری بگڑی تھی جو مُدت کی

(۷۹)

دل ملنے سے ملتی ہے نظر بھی　　پھر ہوتا ہے اُس کا کچھ اثر بھی

سر تن سے جُدا نہ ہوگا جب تک　　جائے گا نہ اپنا دردِ سر بھی

مُفلس کا نہیں شریک کوئی　　اب کاٹنے دَوڑتا ہے گھر بھی

کیوں آتی نہیں ہے نیند مجھکو　　آجاتی ہے یہ تو دار پر بھی

بُلبل کی تھی یوں ہی ننھی سی جان　　صیّاد نے نوچے بال و پر بھی

جو بات نہ دل سے نکلے گُلشنؔ
ہوتی نہیں دل پہ کارگر بھی

(۸۰)

حالِ دل کرتی ہیں روشن صورتیں تحریر کی
نُطق سے ہوتی ہیں ظاہر لذّتیں تقریر کی

ہیں جو آزادِ جنوں روکے سے رُک سکتے نہیں
ہم بھی دیکھیں ہیں کہاں تک بندشیں زنجیر کی

خامُشی بھی آدمی میں ایک بہتر وصف ہے
ہیں جو عالی ظرف اُنھیں حاجت نہیں تقریر کی

سُن کے سر دُھنتے ہیں اہلِ ذوق گُلشنؔ کا کلام
تیرے شعروں میں بھری ہیں قوّتیں تاثیر کی

(۸۱)

زمانے میں زمانے کی پریشانی نہیں جاتی
یہ باعث ہے کہ اپنے دل کی من مانی نہیں جاتی

بہت مشکل ہے انسانوں کا مل جانا زمانے میں
کبھی سیرت فقط صورت سے پہچانی نہیں جاتی

کچھ ایسا پڑ گیا ہے پردۂ تقلید آنکھوں پر
کہ چادر پاؤں اپنا دیکھ کر تانی نہیں جاتی

بشر کی زندگی گو عبرت افزا ہے زمانے میں
مگر اس پر بھی اُسکی عیش سامانی نہیں جاتی

غریبوں بےکسوں کی کون سُنتا ہے زمانے میں
امیروں کی رئیسوں کی تن آسانی نہیں جاتی

جلی رسّی کا بل جاتا نہیں ہے خاک ہونے پر
بھلی صحبت سے ہرگز خوئے شیطانی نہیں جاتی

گرفتارِ جمودِ خامشی دریا بھی ہوتے ہیں
مگر طبعِ سخن آرا کی طغیانی نہیں جاتی

بہارِ بے خزاں گلشن نہیں چھپتی چھپانے سے
چمن میں شعلہ ہائے گل کی عریانی نہیں جاتی

اثر بلبل کے نغموں کا نہیں مٹتا نہیں مٹتا
نہیں جاتی ہے گلشن کی گل افشانی نہیں جاتی

۹

(۸۴)

مطابق وقت کے چلتی نہیں دل کی گھڑی میری
جُدا اُس کی خوشی مجھ سے الگ اُس سے خوشی میری

فرائض زندگی کے جو ہیں خاموشی سے پورے ہوں
نمائش کے لیے ہرگز نہیں ہے زندگی میری

کوئی تدبیر ایسی ہو کہ دل جس سے ٹھہر جائے
مٹے گی جھوٹی باتوں سے نہ دل کی بے کلی میری

اکیلا میں نہیں ہوں ساتھ میرے دل کی محفل ہے
حقیقت میں اسی محفل سے ہے دل بستگی میری

بُرا کیا ہے اگر رودادِ دل میں تم سے کہتا ہوں
انوکھی بات کیا ہے کیوں اُڑاتے ہو ہنسی میری

محبت میں رضائے دوست مجھ پر فرض اوّل ہے
خوشی ہے آپ کی جس میں اُسی میں ہے خوشی میری

مسرت ہو کہ غم ہو رہ نہیں سکتی ہے آپے میں
سمجھتا ہوں نہیں ہے یہ طبیعت کام کی میری

رہِ دُنیائے دوں میں ہر قدم پر ایک ٹھوکر ہے
گزر جاؤں بہ عزت ہے اِسی میں بہتری میری

خیال آئے کسی دن تو دعا سے یاد کر لینا
سوا اس کے نہیں ہے التجا کچھ دوسری میری

تمھارے رُخ کا پھر جانا بھی پھر جانا ہے قسمت کا
ادھر دیکھو کہ طالب رحم کی ہے بے کسی میری

نہ شاعر ہوں نہ مجھ کو شاعری کا کوئی دعویٰ ہے
مگر پھر بھی ہے گلشنؔ روح پرور شاعری میری

॥

ے

(۳۵)

محبت کا مجھ کو اثر دیکھنا ہے — کہ دل میں ترے اپنا گھر دیکھنا ہے
زمانے کا سب خشک و تر دیکھنا ہے — بڑے حوصلے سے مگر دیکھنا ہے
جو گم کردۂ راہ کو لائے رہ پر — ہیں راہبر باخبر دیکھنا ہے
ذرا اپنی خواہش کو ہمت کو دیکھو — اِدھر دیکھ کر پھر اُدھر دیکھنا ہے
جسے پورا کرنا ہے خواہش کو اپنی — اُسے جان پر کھیل کر دیکھنا ہے
جو شر آملا ہے سرشتِ بشر میں — دکھائے گا جو عمر بھر دیکھنا ہے
خدا کے حوالے کرو کام اپنا — مقدّر کا لکھا اگر دیکھنا ہے
چمن دل کا اشکِ محبت سے سینچو — جو تدبیر کو کارگر دیکھنا ہے

ہٹائے نظر غیر جانب سے اپنی
جو گلشنؔ کو اے دیدہ ور دیکھنا ہے

(٨۴)

شوق سے بیخودیِ ذوق ہم آغوش رہے
جستجو اُس کی جو کرنی ہو تو کچھ ہوش رہے

یادِ ہستی و عدم دل سے فراموش رہے
غمِ فردا رہے باقی نہ غمِ دوش رہے

سب کی سنتے رہے لیکن نہ دیا ہم نے جواب
صورتِ شمع ہر اک بزم میں خاموش رہے

درحقیقت ہے حقیقت سے وہی دل آگاہ
رہ کے دُنیا میں جو دنیا سے سُبکدوش رہے

بے نیازی میں کبھی بیگانۂ اخلاص نہ بن
میں بھی بندہ ہوں ترا اتنا تجھے ہوش رہے

بے طرح دام میں دُنیا نے پھنسا رکھا ہے
ہوش آیا بھی اگر ہم کو تو بے ہوش رہے

رہ کے میخانۂ دنیا میں کبھی پی نہ شراب
نہ رہے ہوش میں ہم اور نہ بیہوش رہے

بحرِ رحمت سے اُٹھیں سینکڑوں طوفانِ کرم
کچھ دنوں قلزمِ عصیاں میں اگر جوش رہے

کوئی عنوانِ تمنّا نہ ہو قائم نہ سہی
دل کو پہچان لوں گلشنؔ یہ مجھے ہوش رہے

(۸۸)

صدق و صفا کی شمع فروزاں نہ کر سکے — اتنا نہ کر سکے تو کچھ انساں نہ کر سکے

جب اپنی ذاتیات کو قرباں نہ کر سکے — دُنیا میں کوئی کارِ نمایاں نہ کر سکے

مقصودِ زندگی سے رہے ایسے بیخبر — دُشواریِ حیات کو آساں نہ کر سکے

ہستی سے بے نیاز رہے تا بہ زندگی — ہندو سے کیا ہوا جو مسلماں نہ کر سکے

لہو لعب میں اپنی گذاری تمام عُمر — کچھ ساتھ لیکے جانے کا ساماں نہ کر سکے

جو کچھ کیا ہے شوق میں اپنے لیے کیا — مطلق کسی کے درد کا درماں نہ کر سکے

باتوں سے کام چل نہیں سکتا کسی طرح — قربانیوں سے خلق کو شاداں نہ کر سکے

آیا نظر کے سامنے اوجھل بھی ہو گیا — ہم دیدِ حُسنِ دوست کا ساماں نہ کر سکے

ہم کشمکش میں ہر کس و ناکس کی مٹ گئے — شمعِ حیات اپنی فروزاں نہ کر سکے

کیوں کر رضائے دوست کو اپنی رضا کہیں — جب دل کو اُسکے تابعِ فرماں نہ کر سکے

خوش طالعی کا اپنی یہ بیّن ثبوت ہے
گلشنؔ کو دل سے محوِ سخنداں نہ کر سکے

(۸۹)

دُنیا کا جو نقشہ ہے آئینۂ حیرت ہے
دیکھیں تو یہ کثرت ہے سمجھیں تو یہ وحدت ہے

دُنیا میں چلے آنا دُنیا سے چلے جانا
وہ تلخیٔ فرقت ہے یہ وصل کی لذّت ہے

خدمت ہی کو آئے ہیں خدمت ہی کیے جائیں
خواہاں نہ صلے کا ہوں خدمت ہی سے عظمت ہے

کس بات پہ اترائیں ہم علم سے بے بہرہ
دولت ہے نہ طاقت ہے مذہب ہے نہ ملّت ہے

اک چشم زدن ہی میں ہو جاتی ہے یہ غائب
دُنیا کی حقیقت کیا اک خواب کی صورت ہے

یہ کم نہ کبھی ہوگا تم صرف کیے جاؤ
یہ علم کا گنجینہ بڑھتی ہوئی دولت ہے

تو لفظِ محبت کو شرمندہ نہ کر کہہ کر
جو دل سے نہ ہو پیدا وہ کوئی محبت ہے

وہ سنتے نہیں اور میں اُن کی سی نہیں کہتا
کچھ مجھ کو شکایت ہے کچھ اُن کو شکایت ہے

کچھ طبع کی جودت تو ایسی نہ تھی اے گلشن
یہ اُن کی محبت کا شکرانۂ دعوت ہے

(۹۰)

اگر نہ ہو لذتِ عبادت دھرا ہوا کیا نماز میں ہے

اسی میں ہے شان بندگی کی یہی حقیقت مجاز میں ہے

بھلے میں سب کے بھلا ہے اپنا بُرے میں سب کے بُرا ہے اپنا

بھلائی ہے فرض آدمی کا یہی نہاں سوز و ساز میں ہے

ہے دردِ دل جس میں ہے وہ انسان نہیں تو ہے خاصیت میں حیواں

کہ آدمیت کا سارا جوہر دلِ بشر کے گداز میں ہے

اُٹھاؤ تکلیف دل پہ اپنے کہ دوسروں کو ہو اس سے راحت

نہ ہو جو اپنی غرض سے مطلب تو لُطف راز و نیاز میں ہے

گلوں کی رعنائیوں کو دیکھو چمن کی رنگینیوں کو سمجھو

اگر حقیقت کو ڈھونڈھتے ہو تو اُس کا جلوہ مجاز میں ہے

جو ایک کے دل کی راحتیں ہیں نصیب ہو جائیں دوسرے کو

خودی کے طوفاں میں پڑ کے انساں ہمیشہ اس ساز باز میں ہے

جہاں سے انسان ہو کے رخصت نہ ساتھ لے جائیگا کچھ اپنے
بجز گنہ اور بُرے عمل کے بتاؤ کیا حرص و آز میں ہے
ہے رنج و راحت کا کارخانہ جہان رکھا ہے نام جس کا
اٹل وہ تقدیر کا نوشتہ ہے جو نشیب و فراز میں ہے
جو چاہے ہو نا نہ ہو سکے وہ، نہ چاہے جس کو وہ پیش آئے
بشر کی قدرت میں کیا ہے گلشن جو ہے اسی بے نیاز میں ہے

۹

(۹۱)

الجھن میں پھنس گئے ہیں، اس الجھی چیستاں سے
کیوں آ گئے ہم جہاں میں، اور آئے ہیں کہاں سے

جو ہو سکے وہ کر لو، کل کی خبر ہے کس کو
کیا گل کھلیں زمیں پر، نیرنگِ آسماں سے

ہو اتّفاق ایسا، سب جس میں متفق ہوں
جو ترجمانِ دل ہو، نکلے وہی زباں سے

دُنیائے بے سکوں پر، نازاں بشر ہے ناحق
جو ہو ہوا پہ مبنی، کیا کام اُس مکاں سے

دُنیا کے رہنے والو، حرص و ہوا کو چھوڑو
لُوٹیں بہت بہاریں، اب کام لو خزاں سے

ملتی ہیں راحتیں بھی، جب سختیوں کو جھیلیں
ہوتا ہے سود حاصل، انسان کو زیاں سے

کیوں مثلِ آب و روغن، رہتے جُدا جُدا ہو
سیکھو سبق تم اپنی، ترکیبِ جسم و جاں سے

مطلب ہمیشہ اپنا، مل کر نکالتے ہو
اُمیدِ فیض کس کو، تم جیسے مہرباں سے

دریائے عشق میں ہے، ہر موج ایک طوفاں
بچ کر نہ کوئی نکلا، اس بحرِ بیکراں سے

ہے تن میں جان جب تک، نام و نشاں ہے باقی
ہستی ہی مٹ گئی تو، کیا سود داستاں سے

دن زندگی کے کٹنا، قیدِ غم و الم ہیں
مشکل تو ہے، نہ ڈرنا، لیکن اس امتحاں سے

کیا رونقِ بہاراں، باقی رہیگی گلشن
جب گُل کو توڑ لے گا، گلچیں ہی گلستاں سے

(۹۳)

زمیں بھدری کی اب چرخِ بریں معلوم ہوتی ہے
ضیا ہر ذرّہ کی مہرِ مبیں معلوم ہوتی ہے

یہ میلا من سلے کا ہے یہ محفل ہے محبت کی
تمیزِ اسفل و افضل نہیں معلوم ہوتی ہے

نشاں اہلِ دول کے اب بھی باقی ہیں زمانے میں
مکاں کو دیکھ کر شانِ مکیں معلوم ہوتی ہے

یہ ہستی کچھ نہیں عمرِ رواں کا ایک دھوکا ہے
مٹا کر اس کو دیکھو پھر کہیں معلوم ہوتی ہے — B. a. [illegible]

مصیبت میں خدا کا ذکر راحت میں فراموشی
حقیقت عقل و دانش کی یہیں معلوم ہوتی ہے

نظر کا صرف دھوکا ہے زمیں سمجھے ہیں ہم جس کو
عمل کا تخم بونے سے زمیں معلوم ہوتی ہے
کسی کے دل میں گلشنؔ راہ پانا ہے بہت مشکل
محبت کی کڑی منزل یہیں معلوم ہوتی ہے

۷

(۹۳)

ہمارا عہد و پیماں ہی ہمارا عین ایماں ہے
وفاداری کے ہاتھوں پر یہ پیارا عہدو پیماں ہے

نہ جانا زندگی کا مدّعا ہم نے تو کیا جانا
نہ ہونا اور رہونا ایسے انسانوں کا یکساں ہے

جو دل کا کام ہے پورا زباں سے ہو نہیں سکتا
کہاں دل کی حقیقت میرے نالوں سے نمایاں ہے

گذرگاہِ ترقی ہے الگ سب کی زمانے میں
جُدا ایک ایک کی دُنیا میں راہِ دین و ایماں ہے

زمانہ ایک صورت پر نہیں رہتا نہیں رہتا
جو شاداں تھا وہ غمگیں ہے جو غمگیں تھا وہ شاداں ہے

ہوئے ہیں عقل کے جامے سے باہر نقل کے باعث
ہمارے ملک کے ننگوں کا اللہ ہی نگہباں ہے

مَرض پیدا ہوا ہے مُلک میں بے روزگاری کا
مسیحا کی ضرورت چرخ سے اب بہرِ درماں ہے

بشر کی کوششیں، نافہم! ہیں وابستۂ قسمت
اگر بخت سلیماں ہے تو پھر تختِ سلیماں ہے

جسے کہتے ہیں آزادی قواعد کی ہے پابندی
نہ مانے جو کوئی وہ عقل کے جامے سے عُریاں ہے

کہیں کیا حسرتِ دید و تمنّائے قدمبوسی
تمہارے رُخ کا آئینہ ہمارے دل کا ارماں ہے

نہ گھبرا دہر کے رنج و مصائب سے ذرا گلشن
یہ زحمت رازِ راحت ہے یہ غم عشرت کا ساماں ہے

(۹۴)

رنگ محفل کا جما جاتا ہے
غنچۂ دل بھی کھلا جاتا ہے

جیسا سنتے ہیں کہا جاتا ہے
جیسا کہتے ہیں سنا جاتا ہے

سن کے باتیں جو ٹھکانے کی نہ ہوں
کس سے خاموش رہا جاتا ہے

ہاتھ میں پھر نہیں آتا وہ وقت
سامنے سے جو چلا جاتا ہے

کون کرتا ہے کسی کی پروا
کون بگڑی کو بنا جاتا ہے

ہم نے وعدہ جو ازل میں تھا کیا
دل سے کیوں محو ہوا جاتا ہے

جس کو رو کر تھا بنایا ہم نے
نقشِ ہستی وہ مٹا جاتا ہے

دیکھو کس طرح نظامِ قدرت
ایک صورت سے چلا جاتا ہے

جو مقدر میں ہے پیش آئے گا
جو ہے ہونا وہ ہوا جاتا ہے

صرف درکار ہے تدبیر و عمل
کون سا کام رکا جاتا ہے

جادۂ منزلِ مقصود کہاں قافلہ اپنا لُٹا جاتا ہے
ایک تو فرض سے ہے بے پروا دوسرا اس سے دبا جاتا ہے
کیوں نہ بے لطف ہو دنیائے حیات جو تھا اچھا وہ اُٹھا جاتا ہے
جس کو مل جاتا ہے موقع گلشن
رنگ اپنا وہ جما جاتا ہے

۱۴

(۹۵)

نگہ سے ہیں دُور جن کے نزدیک راہِ حق کے دکھانے والے

اُنھیں کی نظروں سے ہیں قریں تر وہ رازِ ہستی چھپانے والے

ہمارے دل سے اُٹھا دے پردہ دوئی کا، صورتِ چھپانے والے

مٹا دے نقش و نگارِ کثرت، جہاں کا نقشہ بنانے والے

ابھی جو خاموش ہو گئے ہیں نہ جانے وہ کیا کہیں گے اک دن

جہاں ہیں یوں تو ملیں گے لاکھوں فضول باتیں بنانے والے

وہی تو ہیں ہم، جہاں نے اچھے بُرے کا ہے جس سے نام پایا

ہمارا ہی تو ہے یہ زمانہ، ہمیں تو ہیں وہ زمانے والے

چلے جو راہِ صفا پہ انساں تو کانٹوں سے کیوں گزر نہ پائے

اگر صفائی ہے دل پہ غالب تو کیا کریں گے ستانے والے

عبث ہے شور و فغاں جہاں کا فضول قصّہ یہاں وہاں کا
تجھے نہ دیکھا تو کس طرح پھر بتائیں تجھ کو بتانے والے
زمانہ ہے تنگ و تار لیکن نہیں ہے کچھ تیرگی سے کھٹکا
چراغِ دل رہنما اگر ہے بڑھے ہی جاتے ہیں جانے والے
کلی کلی ہے شگفتہ خاطر ہیں سرخرو دو جہاں میں گلشن
رضائے حق میں بسان گُل ہیں جو سر کو اپنے جھکانے والے

۸

(۹۶)

سُنتے ہیں ہر ایک سے سب کی یہی فریاد ہے ایک میں قیدی ہوں اور سارا جہاں آزاد ہے

قاعدے آفاق میں ہوتے ہیں اک کام کے آپ کی تدبیرِ آزادی بھی بے بنیاد ہے

دل جُدا مذہب جُدا اس پر زبانیں بھی الگ پُر خودی سے جامِ دل لب مائلِ فریاد ہے

مُنحرف ہیں غیر بھی احباب بھی اولاد بھی کیسے اس صورت میں گھر آباد یا برباد ہے

ہے فرائض کے لیے پابندیوں کی شرط بھی ہیں یہی باتیں سمجھنے کی یہی روداد ہے

دردمندی بھی ہے اس میں اور بیدردی بھی کچھ دل ہی اکثر موم اکثر دل مرا فولاد ہے

غالب و مغلوب ہو جاتا ہے جب انسان تو پھر صید وہ ہے آپ ہی وہ آپ ہی صیاد ہے

جو لکھا قسمت میں انساں کی ہے ہوتا ہے وہی کون اس کو جانچتا ہے شاد یا ناشاد ہے

دل کو یکسو کر کے واجب ہے خدا کی یاد ہو حق تھا جو وہ کہہ دیا اب کیجیے کیا ارشاد ہے

کس جگہ اہلِ نظر کو کیجیے گلشن تلاش

مرکزِ شعر و سخن اب تو الہ آباد ہے

(۹۷)

جب تک ہمارے بس میں دلِ ناتواں رہے
ذکرِ خدائے پاک بھی وِردِ زباں رہے

سب کو مِلائے رکھّے گا صِدق و صفا کے ساتھ
ربطِ وفا دلوں کے اگر درمیاں رہے

ظالم اگر نہ ہو تو نہ ہو ظلم کا گِلا
مظلوم کی زباں پہ نہ کوئی فغاں رہے

جب اِتّفاق ہو تو محبت بھی ہو ضرور
زر زن زمیں کے جھگڑوں کا پھر کیوں نشاں رہے

دُنیا میں ہم نہ چین سے بیٹھے کسی گھڑی
پیشِ نگاہ اپنے نئے امتحاں رہے

دارِ فنا ہے دَہر کی یہ کارواں سرا
ممکن نہیں ہمیشہ کسی کا نشاں رہے

خالی نہیں ہے عیب سے کوئی بشر مگر
اچھا وہی ہے جس کی بُرائی نہاں رہے

دونوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں غم نہیں
دُشمن مِری زمیں رہے یا آسماں رہے

بس چاندنی ہے چار ہی دِن کی جہان میں
آنکھیں اگر ہوں بند تو یہ بھی کہاں رہے

ہم تو دُعائے خیر سے کرتے ہیں سب کو یاد
خوش اور تندرست رہے جو جہاں رہے

باغِ جہاں میں رہتے ہیں گُلشنؔ ہمیشہ شاد
اُن کے لیے قفس رہے یا گلستاں رہے

۱۱

(۹۸)

رضائے حق پر اجزوِ طبیعت ہوتی جاتی ہے — جہاں کے مخلصوں سے مجھکو فرصت ہوتی جاتی ہے

مقدر سے برابر یہ ہدایت ہوتی جاتی ہے — دلوں کو اب ملانے کی ضرورت ہوتی جاتی ہے

محبت کے بڑھانے سے بڑھے گی آبرو سب کی — زمانے میں زباں زد یہ حکایت ہوتی جاتی ہے

بشر شر سے بھرا ہے باز کیا آئے شرارت سے — نمایاں ہر قدم پر اُس کی فطرت ہوتی جاتی ہے

صداقت ہو رفاقت ہو شُجاعت ہو شرافت ہو — جو یہ سب ہوں تو یہ سمجھو فضیلت ہوتی جاتی ہے

نظر جب دل سے ہٹتی ہے تو لُٹ جاتی ہے طاعت بھی — نظر جب تک رہے دل پر حفاظت ہوتی جاتی ہے

خودی کی مے سے جو بدمست ہیں اپنے سے غافل ہیں — وہ کیا جانیں کہ کیا دُنیا کی حالت ہوتی جاتی ہے

کشیدہ خاطری احباب کی بھی اِن دنوں گلشن
خدا کی مہربانی سے محبت ہوتی جاتی ہے

(۹۹)

نہ جھیلی جائے جو سر پر مصیبت ایسی ہوتی ہے
بہ مشکل صبر آتا ہے طبیعت ایسی ہوتی ہے

کسی صورت کسی پہلو سکوں ملتا نہیں دل کو
ہمیشہ رکھتی ہے بیتاب الفت ایسی ہوتی ہے

وہ ہے کس کام کی جو ذہن میں آکر اتر جائے
اثر کر جائے جو دل میں نصیحت ایسی ہوتی ہے

بھلائی کر کے اس کو بھول جانا چاہیے سب کو
نہ طالب شکریے کی ہو عنایت ایسی ہوتی ہے

مشامِ جاں کو بے لطفِ صبا ہیں نزہتیں ملتیں
مہک پھولوں کی ہو جس میں شرافت ایسی ہوتی ہے

یہ انسانی ہے فرض اس کو لگا دے اچھے کاموں میں
نہیں رہتی کسی کے پاس دولت ایسی ہوتی ہے

دبانا اور دھمکانا ڈرانا سب ہے لاحاصل
دلوں پر جو کرے قبضہ حکومت ایسی ہوتی ہے
کوئی مانے نہ مانے تو ادا اسے فرض کرتا جا
صلے سے دل کو استغنا ہو خدمت ایسی ہوتی ہے
پرایا ہو کہ اپنا ہیں یہی انصاف کے معنی
نہ رکھا جائے فرق ان میں عدالت ایسی ہوتی ہے
ہوس زر کی بنا دیتی ہے دشمن دوستداروں کو
قیامت بھی اماں مانگے یہ آفت ایسی ہوتی ہے
جو سچے تھے وہ سچ ہی بولے تلواروں کے سائے میں
نہ پروا جان کی بھی کی صداقت ایسی ہوتی ہے
ہر اک کے کام آ ڈبے تعلق رہ کے تم گلشن
اعانت اس کو کہتے ہیں رفاقت ایسی ہوتی ہے

(۱۰۰)

آیا ازل سے میں دلِ حیراں لیے ہوئے
جاؤں گا اُس میں دولتِ ایماں لیے ہوئے

پورا نہ زندگی کا ہوا ایک مدّعا
جاتے ہیں ساتھ سینکڑوں ارماں لیے ہوئے

بیدر دہے وہ جو کہ ہے خود خواہ و خود پسند
حیوان ہے وہ صورتِ انساں لیے ہوئے

انسان کی نظر کا نہیں اعتبار کچھ
کیا جانے دل میں کیا ہے وہ پنہاں لیے ہوئے

منزل گہِ حیات میں رحمت کشانِ راہ
آتے ہیں لین دین کا ساماں لیے ہوئے

کوئی بھی آنکھ اُٹھا کے اِدھر دیکھتا نہیں
ہم پھر رہے ہیں حالِ پریشاں لیے ہوئے

گلشنؔ ہے بزمِ شعر میں یا کوئی عندلیب
نغموں سے اپنے سر پہ گلستاں لیے ہوئے

(۱۰۱)

کیسی تفریق کی دنیا میں گھٹا آئی ہے اپنا سمجھیں کسے ہم کس کو کہیں بھائی ہے
خواہ ہندو ہے کہ مسلم ہے کہ عیسائی ہے یک دلی سے جو رہے مل کے تو زیبائی ہے
دوستی زر کی ہے مطلب کے ہیں سب اہلِ غرض کون دنیا میں تری ذات کا شیدائی ہے
ملّت و دیں کے یہ جھگڑے ہیں زمانے میں غلط بات تو ایسی نہ کر جس میں کہ رسوائی ہے
گمرہی صحبتِ بد کے ہے اثر سے پیدا جو تھا اچھا وہ غلط کار ہے سودائی ہے
ایک ہی حال رہا کس کا جہاں میں دائم پھر طبیعت تری کس بات پہ اترائی ہے
دوستداروں سے محبت ہو تو دشمن سے سلوک اس پہ ہو جائے عمل تیرا تو دانائی ہے
کام لے کوئی نہ تو اپنی غلط فہمی سے آنکھ بخشی ہے خدا نے تجھے بینائی ہے

محویت اور تصوّر کا یہ گلشنؔ ہے اثر
مجمعِ عام میں بھی عالمِ تنہائی ہے

(۱۰۲)

دُنیا میں اگر دین سے ہشیار نہیں ہے — یہ جاگنا ایسا ہے کہ بیدار نہیں ہے

حاضر ہیں دل و جاں ہمیں انکار نہیں ہے — دیں کس کو مگر کوئی خریدار نہیں ہے

اچھوں کے ہوا کرتے ہیں دشمن بھی ہزاروں — کیا پھول کے پہلو میں کوئی خار نہیں ہے

وہ وعدہ جسے روزِ ازل تمنے کیا تھا — کیا بھول گئے یاد اب اقرار نہیں ہے

جب پردہ خودی کا کوئی حائل نہیں باہم — کیوں مجھ کو میسّر ترا دیدار نہیں ہے

جو جلوہ کہ پنہاں ہے مرے دیدۂ دل میں — وہ مثلِ تماشا سرِ بازار نہیں ہے

کیا میں ہی فقط لائقِ تعزیر و ستم ہوں — کیا کوئی سوا میرے گنہگار نہیں ہے

دُنیا میں کسی سے نہیں اُمیدِ رفاقت — وہ کون ہے جو بر سرِ پیکار نہیں ہے

گلشنؔ نہ کرو غیر کا بھولے سے بھروسا
اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں ہے

(۱۰۳)

جو رازِ دل نہ سمجھے وہ رازداں کیا ہے
بتائے کون عیاں کیا ہے اور نہاں کیا ہے

زمین کیا ہے جہاں کیا ہے آسماں کیا ہے
نشاں جسکے ہوں ایسے وہ بے نشاں کیا ہے

بعجز تکبر و بے اعتباری و نفرت
تمھارے اور مرے دل کے درمیاں کیا ہے

علاوہ اسکے کہ ہیں ہم جہاں میں اک فرد
ہمیں خبر نہ ہوئی جسم کیا ہے جاں کیا ہے

زبانِ چشم جو ہے اور ہے جو دل کی زباں
وہی زبانیں ہیں در اصل یہ زباں کیا ہے

جہاں سے وقت پہ انسان اپنے جائے گا
بساطِ طفل ہے کیا قوتِ جواں کیا ہے

ستمگروں کے طریقے بدل نہیں سکتے
نہیں کے سامنے اُنکی کسی کی ہاں کیا ہے

بشر کو دین بچاتا ہے ہر بُرائی سے
یہی نجات کی صورت ہے اور اماں کیا ہے

غرض نہ جانی کچھ آنے کی جب یہاں گلشن
یہاں سے جانے میں پھر صورتِ زیاں کیا ہے

(۱۰۴)

آئیے کچھ دید کو بزمِ سخنداں دیکھیے
جمع ہیں تفریحِ دل کے ساز و ساماں دیکھیے

آج رائٹ آنریبل ٹی۔بی سپرو ذی وقار
خوبیِ نقد و نظر سے ہیں میرے مہماں دیکھیے

ہے انھیں کے واسطے بزمِ سخن آراستہ
ہوں گے گُل ہائے معانی ان پہ قرباں دیکھیے

عشق کی نیرنگیوں کا ذکر مُنہ سے کیا کروں
دل پہ نقش اس کا بہ ہر ترکیب و عُنواں دیکھیے

کیوں نہ دُنیا کو کہیں آئینۂ حیرت فزا
جس میں اک عالم کو گریاں اور خنداں دیکھیے

نیستی ہستی کا ٹھہرا بس نفس پہ اِنحصار
اِس ہوائی بات پر نازاں ہے انساں دیکھیے

تابعِ تقدیر ہوں زحمت کشِ تدبیر ہوں
میری آزادی بہ شکلِ قیدِ زنداں دیکھیے

توڑیے قیدِ تعیّن کی کڑی زنجیر کو
پھر ہوا جاتا ہے کیونکر کام آساں دیکھیے

چشمِ حق بیں کے لیے عبرت ہے سازِ کائنات
کورِ باطن کو فقط عشرت کا جویاں دیکھیے

آج کی عشرت کی خواہش بیخودی کا فعل ہے
پردۂ امروز میں فردا کو پنہاں دیکھیے

آب و روغن کی طرح کب تک رہیں ہم دور دور
اتحادِ جان و تن کا کب ہو ساماں دیکھیے

عشق کا زینہ بنا ہے اضطرابِ جان و تن
کوئے جاناں دیکھیے یا راہِ عرفاں دیکھیے

ہو نظر تو جلوۂ وحدت ہے کثرت میں عیاں
اور پھر وحدت میں کثرت کو نمایاں دیکھیے

خاکِ گمراہی میں تہذیب و تمدن مل گئے
زلزلہ دینوں میں اور قوموں میں طوفاں دیکھیے

ہے گنہ شامل بشر کی فطرتِ خود کام میں
رات دن سرتابیِ احکامِ یزداں دیکھیے

آن والے بات پر اپنی دیا کرتے ہیں جان
پختگی رکھتا ہے کیسی "قولِ مرداں" دیکھیے

جس نے چڑھ کر دار پر ہشیار عالم کو کیا
اُس حقیقت آشنا کا بارِ احساں دیکھیے

بزمِ گلشن کو نہ ہو کیوں ناز اپنے بخت پر
جلوہ گر ہیں چیف جسٹس سر سلیماں دیکھیے

(۱۰۵)

کیا بات ہے جو غنچۂ دل آج کھلا ہے
پھولوں میں بسی سارے زمانے کی ہوا ہے
کیوں دھرم سناتن کا یہ اسکول سجا ہے
کس شاہدِ معنیٰ کا یہاں رنگ جما ہے
بزمِ سخنِ ساحرِ یکتا کی ہے جُبلی
سب شاد ہیں آباد ہیں دل سب کا ملا ہے
وہ دوست کسی کا ہے نہ دشمن ہے کسی کا
بے فکر ہے ہر شئے سے جو راضی بہ رضا ہے
بے ساختہ کانٹوں میں اُلجھ جاتا ہے دامن
یہ جذبۂ سودا ہے محبّت کی سزا ہے
یہ راز کسی پر نہ کھلا ہے نہ کھُلے گا
نیرنگیِ عالَم نہ فنا ہے نہ بقا ہے

فطرت کسی انساں کی بدلتی نہیں ہرگز
اچھا ہے تو اچھا ہے بُرا ہے تو بُرا ہے

جو ہوگا مقدّر میں ملے گا وہی تجھکو
بیکار یہ قسمت سے تری چون وچرا ہے

تقدیر سے تدبیر لڑا کرتی ہے۔ لیکن
ہوگا وہی جو تیرے مقدّر میں لکھا ہے

جس طرح کہ ہر شکل میں ہے رنگ کی تفریق
قسمت بھی اُسی طرح سے اک اک کی جُدا ہے

گزرے ہیں نگاہوں سے بہت عالم و فاضل
کامل اُسے پایا ہے جو لکھا نہ پڑھا ہے

گُلشن سے ہو تقصیر اگر کوئی کر دو عفو
خُردوں سے خطا اور بزرگوں سے عطا ہے

(۱۰۶)

اگر انساں کی کوئی کارگر تدبیر ہو جائے
موافق کیا عجب بگڑی ہوئی تقدیر ہو جائے

اگر انساں سے کوئی کارگر تدبیر ہو جائے
تعجّب کیا بہم تدبیر سے تقدیر ہو جائے

جو بے پردہ کہیں وہ حُسنِ عالمگیر ہو جائے
تو حیرانی سے ہر اک ذرّہ اک تصویر ہو جائے

اگر اُس حُسنِ عالمتاب کی تفسیر ہو جائے
فضا کا ذرّہ ذرّہ مہرِ پُر تنویر ہو جائے

اثر اتنا تو ہو تحصیلِ علم و فہم و دانش کا
ادب آموز ہر تحریر و ہر تقریر ہو جائے

رہائی قیدِ اُلفت سے یہی ہم کو دلائیگی
مزا آئے جو اُلفت کی کڑی زنجیر ہو جائے

نگاہِ ناز میں اُسکی عجب پنہاں کرشمے ہیں
رُکے تو مرہم دل ہے چلے تو تیر ہو جائے

نہیں معلوم کیا صورت ہو دُنیائے محبّت کی
مرے خوابِ پریشاں کی اگر تعبیر ہو جائے

زرِ گُل کو بنا دیتے ہیں کُندن اہلِ دل گلشن
تعجب کیا اگر خاکِ چمن اکسیر ہو جائے

(۱۰۷)

جہاں میں زیست مثالِ سراب ہوتی ہے ۔۔۔ بنائے ہستیِ انساں حباب ہوتی ہے
نظر سے دُور جو راہِ صواب ہوتی ہے ۔۔۔ تو بعدِ مرگ بھی مٹّی خراب ہوتی ہے
ظہورِ جلوۂ حق کا نشاں نہیں ملتا ۔۔۔ خودی کی دل میں جو حائل نقاب ہوتی ہے
ملے کسی کو نہ دولت جو تندرستی کی ۔۔۔ تو زندگی بھی بہ حالِ خراب ہوتی ہے
خوشی کو ضبط کرے کوئی یا سہے غم کو ۔۔۔ کہاں کسی میں بھلا اتنی تاب ہوتی ہے
خدا ہی رکھے تو رہتی ہے بحرِ عالم میں ۔۔۔ وہ آبرو بھی جو موتی کی آب ہوتی ہے

ہر ایک شعر ہے گلشنؔ ترا سبق آموز
جو بات کہتا ہے تو لاجواب ہوتی ہے

(۱۰۴)

مصیبت بڑھتی ہے تو قہرِ خدا ہوتا ہے
ایک طوفان سا عالم میں بپا ہوتا ہے

یاد اللہ کی آتی ہے بشر کو اُس وقت
جب مصیبت کے وہ پنجے میں پھنسا ہوتا ہے

عیش و آرام کا خواہاں ہے زمانہ لیکن
لطفِ آغاز کا انجام بُرا ہوتا ہے

یہ مثل سچ ہے جسے اہلِ جہاں جانتے ہیں
نیکیاں کرتا ہے جو اُس کا بھلا ہوتا ہے

دیکھتا کچھ ہوں نظر آتا ہے کچھ اور مجھے
سخت حیرت ہے کہ کیا کرتا ہوں کیا ہوتا ہے

حال ہی جو نہ سُنے اُس سے غمِ دل گلشنؔ
ناروا ہوتا ہے کہنا کہ روا ہوتا ہے

(۱۰۹)

رخت انسانی ملا ہے شکر اس کا کیجیے
آج کی پروا غلط ہے فکرِ فردا کیجیے
ہو کے سودائی جہاں میں حق کا سودا کیجیے
لُطف اسی میں ہے کسی شے کی نہ پروا کیجیے
ایک کے قبضے میں ہو دولت تو پوشیدہ رہے
جسکے ہوں مالک ہزاروں کس سے پردا کیجیے
جستجو جسکی ہے وہ تو دل میں ہے پھر کیوں تلاش
خانہ خانہ کوچہ کوچہ صحرا صحرا کیجیے
کیا خبر کس بھیس میں آ نکلے در پر کون کب
اپنے سائل سے کبھی مُنہ کو نہ موڑا کیجیے
فرق دونوں میں اگر کچھ ہو گیا تو لُطف کیا
قول اپنا فعل کے عنواں سے پورا کیجیے

خدمتِ اہلِ جہاں ہے زندگی کا مدّعا
رات دن اس مدّعا کا عیش لوٹا کیجیے
نام کی تشہیر ہے بدنام کرنا نام کو
کیوں نشاں اپنا مٹا کر نام پیدا کیجیے
ماسوائے رنج و غم کچھ بھی نہیں آفاق میں
گلشنؔ اس سے جس طرح بھی ہو کنارا کیجیے

۹

(۱۱۰)

نہیں معلوم کس اُستاد کی بانکی ادا لی ہے
جو گُلشن پہ نئی طرزِ سخن تم نے نکالی ہے

کسی کا تنگدستی میں نہیں بنتا کوئی اپنا
صُراحی دیکھ کر خالی جُدا اُس سے پیالی ہے

ہے پامالِ خزاں گُلشن سخن کا جس طرف دیکھو
نہ حافظؔ ہے نہ سعدیؔ ہے نہ اکبرؔ ہے نہ حالیؔ ہے

نہ عشرت ہے نہ حسرت ہے بُرا ہے کچھ نہ کچھ اچھا
جہاں تک ہم نے سمجھا ہے یہ دُنیا سب خیالی ہے

نہ دلداری نہ دل جوئی نہ خوش روئی نہ خوش خوئی
چہار اوصاف سے بزمِ جہاں بالکل ہی خالی ہے

مصیبت ایک کوڑا ہے کہ راہِ راست پر آئیں
نہ بھولیں ہم خدا کو اس لیے یہ گوشمالی ہے

ثمر کی مل سکی نعمت نہ سروِ سرکشیدہ کو
زمیں کی سمت جھکتی ہے لدی جو پھل سے ڈالی ہے

ہیں جادے مختلف گو منزلِ مقصود ہے واحد
نہ بھٹکے راہ سے رہرو یہی صاحب کمالی ہے

جو جاتا ہے وہ منزل دوسرے کو سونپ جاتا ہے
جو آیا اُس نے آکر اک نئی بُنیاد ڈالی ہے

کرو آئینۂ دل اپنا روشن نورِ عرفاں سے
جو شیدائے حقیقت ہیں یہی اُن کی دِوالی ہے

ہزاروں لفظ و معنی ڈھالتا ہے ایک سانچے میں
تری طبعِ رسا گلشنؔ زمانے سے نرالی ہے

(۱۱۱)

لکیر کا اگر کوئی، زمانے میں فقیر ہے

مجاز میں حقیر ہے، حقیقتاً بصیر ہے

لبوں پہ آہ کی صدا، دعا میں ہاتھ اٹھا ہوا

یہ ناتواں کی ہے کماں، و شب بسوں کا تیر ہے

ہر ایک طرح کی نہاں، اسی میں ہیں تجلّیاں

وہ مثلِ آئینہ ہے صاف، پاک جو ضمیر ہے

یہ دام کس بلا کا ہے، پھنسا ہے جس میں آدمی

کہ ہو کے بھی اسیر ہے، نہ ہو کے بھی اسیر ہے

عمل ہے اس کا نیک اگر، جہاں میں ہے عزیز تر

امیر یا فقیر ہے، صغیر یا کبیر ہے

عجب ہے کیا اگر فدا ہو تجھ پہ گلشنؔ اک جہاں

کمالِ لاجواب ہے، خیالِ بے نظیر ہے

(۱۱۲)

نئی تدبیر سے جلوہ نما تاثیر دیکھیں گے
ہم آئینے میں دل ہی کے تری تصویر دیکھیں گے

اِدھر کھنچ آئیں گے خود یا وہ کھینچیں گے اُدھر ہم کو
ہم اپنے جذبِ دل کی ایک دن تاثیر دیکھیں گے

اگر تنتے ہیں ابرو اُن کے کچھ پروا نہیں ہم کو
سرِ تسلیم خم کر دیں گے جب شمشیر دیکھیں گے

نہیں سنتے جو میری زندگی میں بات تک میری
فنا کے بعد کیا سمجھوں کوئی تحریر دیکھیں گے

نکل کر ہم تو گلشن جا رہے ہیں کوے جاناں سے
دکھائے گی اب آگے جو ہمیں تقدیر دیکھیں گے

(۱۱۳)

شنو سازِ نفس کو اِس سے کیا پیہم نکلتا ہے
جو تُو ہے بس وہی مَیں ہوں یہی ہر دم نکلتا ہے

جو ہے بے درد اُس کو کیا کسی کے درد کی پروا
دلِ پُر درد ہی سے درد کا مرہم نکلتا ہے

حقیقت آشنائے زندگی ہونا کہاں ممکن
بظاہر جو ہے خرّم اصل میں پُر غم نکلتا ہے

مُصفّا قلب ہیں جن کے، وہ رازِ دل سمجھتے ہیں
جو کچھ باطن میں اُن کی بات میں بھی خم نکلتا ہے

کوئی مدہوش جا کر ساقیِ سرشار سے کہہ دے
کہ میرے جامِ خاکی ہی سے جامِ جم نکلتا ہے

خدا کی بخشش و لطف و کرم کی حد نہیں گلشنؔ
جدھر جاتے ہیں ہم کو دیکھنے عالم نکلتا ہے

(۱۱۴)

خدا ہی مالک ہے دوسرا کا وہ ایک ہے دُوسرا نہیں ہے
وہی وہاں بھی وہی یہاں بھی کوئی بھی اُس کے سوا نہیں ہے

متاعِ جاں کو لُٹا کے چلدے نہ پھیر میں پڑ سزا جزا کے
مزے سے بے بہرہ ہے بقا کے وہ جس کو ذوقِ فنا نہیں ہے

زمیں میں جو تخم جس نے بویا اُسی کو آخر میں اُس نے کاٹا
بُرا کسی کا جو کوئی چاہے تو اُس کا ہرگز بھلا نہیں ہے

جو آج دولت ہے کل نہ ہوگی جو آج رفعت ہے کل نہ ہوگی
جو آج عزّت ہے کل نہ ہوگی کہ رنگِ دُنیا رہا نہیں ہے

اُبھر رہا ہے گُلوں کا جوبن نکھرتا جاتا ہے رنگِ گُلشن
چلو بھریں ہم بھی اپنا دامن مخالف آب و ہوا نہیں ہے

(۱۱۵)

غمِ دنیا ہو نہ فکرِ دلِ ناشاد رہے — مجھکو اے کاش بجز تیرے نہ کچھ یاد رہے

خواہ ناشاد رہے یا مرا دل شاد رہے — عشقِ دنیا میں رہے حُسنِ خداداد رہے

جو گذرنا تھا وہ گذرا جو تھا ہونا وہ ہوا — دم بخود اب تو ذرا نالۂ آزاد رہے

عشق کے دن بھی عجب بے خبری میں گزرے — یعنی ہر قیدِ علائق سے ہم آزاد رہے

اک فقط واہمہ ہے منظرِ عالم کا وُجود — جس کی قائم نہ جہاں میں کبھی بُنیاد رہے

حرفِ شکوہ سے بھلا اہلِ رضا کو کیا کام — اس کی پروا نہیں اُفتاد پہ اُفتاد رہے

رنگِ گلشن میں ہے گلشنِ گلِ معنی کی بہار
دل شگفتہ رہے عالم تیرا آباد رہے

ے

(١١٦)

جاں نثاری کر اگر کچھ ہمّتِ مردانہ ہے
قوم تیری شمع تو اُس شمع کا پروانہ ہے

زور و زر، علم و عمل ہیں اپنے مطلب کے لیے
کیا تری تہذیب کا غافل یہی پیمانہ ہے

ہو نہ باہر دائرے سے رہ یگانوں میں شریک
کیوں جُدا اپنوں سے ہو کر سب سے تو بیگانہ ہے

نیک و بد دیکھے نہ کیوں چشمِ بصیرت رات دِن
واقعہ کل تک جو تھا وہ آج اک افسانہ ہے

جو کرم پہلے تھا رندوں پر وہ ساقی کیا ہوا
کیوں تہی اب جامِ اُلفت سے ترا میخانہ ہے

جوش ہو دل میں تو ہو جاتی ہیں آساں مُشکلیں
کیوں مدد حق کی نہ ہو جب ہمت مردانہ ہے

کم نگاہی کا نتیجہ ہیں یہ سارے تفرقے
کون کہتا ہے کہ کعبے سے جُدا بُتخانہ ہے

دل کے ارمانوں کا مدفن ہے جہانِ بے ثبات
تو جسے عشرت کدہ سمجھا ہے وہ غمخانہ ہے

شکریہ یاد آوری کا ہو نہیں سکتا ادا
آپ کا تو گلشنِ فرزانہ خود دیوانہ ہے

(۱۱۷)

ہو کے نظروں سے نہاں وہ عیش منزل میں رہے
یعنی بن کر راز میرے پردۂ دل میں رہے

آنکھیں سو جائیں تو سو جائیں مگر ہنگام خواب
اک نہ اک حُسنِ تصوّر جاگتے دل میں رہے

آئے ہیں دل میں ہمارے وہ ستانے کے لیے
ناز اُٹھانے کے لیے ہم اُنکی محفل میں رہے

کیا قیامت ہے کہ دُنیا وی علائق ہوں قریب
اور خدا کا ذکر بُعدِ مسدِّ فاضل میں رہے

رنگ ہی وہ کیا ہے مل جائے جو رنگِ غیر سے
دیکھو گلشنؔ کو الگ وہ سب سے محفل میں رہے

(۱۱۸)

اِدھر بھی کچھ پھول کھل رہے ہیں اُدھر بھی غُنچہ چٹک رہا ہے
کسی کو حاصل وصالِ گُل ہے کسی کے کانٹا کھٹک رہا ہے
نہالِ اُمید شاد ہو کر کسی روِش پر ہے محوِ جنبش
کوئی کسی کے غمِ محبت میں اپنے سر کو پٹک رہا ہے
کہیں ہے نرگس بچشمِ حیراں کہیں ہے سوسن زباں پہ نازاں
کوئی ہے گریاں کوئی ہے خنداں کوئی کسی سے اٹک رہا ہے
شمیمِ گُل کا ہے کوئی خواہاں کوئی ہے گلشن ملول و حیراں
کوئی ہے باغِ جناں کا شیدا کوئی پریشاں بھٹک رہا ہے

(119)

عالَم میں حُسن و عشق کا پھیلا وہ جال ہے — جس میں اسیرِ طائرِ وہم و خیال ہے

صہبائے عشق پیتا ہوں مَیں کس مزے کے ساتھ — بادہ ہے خونِ دل مرا جام سفال ہے

ساقی کی بزمِ ناز پہ طاری ہے بیخودی — کچھ گفتگو ہے اور نہ کچھ قیل و قال ہے

تیرا جمال تیری تجلّی ترا فروغ — ہر دم مری نظر کی یہی دیکھ بھال ہے

راحت کی ہے خوشی نہ ہے غم کا کوئی گلہ — صرفِ سرورِ دل ہے نہ غرقِ ملال ہے

رسوائے دہر کوچہ بہ کوچہ ہیں اہلِ دل — یہ بیخودیِ عشق کا اچھا مآل ہے

گلشنؔ عجب بہار ہے گلشن میں دیکھیے

ڈوبا ہوا شباب میں اک اک نہال ہے

(١٢٠)

کسی کا بھی پورا ہوا مدّعا ہے　　یہ ہم نے سُنا ہے جو تم نے کہا ہے

نہ کام آئیگی کوئی بھی سعی و کوشش　　وہ ہوگا جو قسمت میں اپنی لکھا ہے

بھلا کرنے والے کے حق میں بتاؤ　　یہ کیسا ستم ہے بُرا ہو رہا ہے

کریں صبر بھی ہم کریں شکر بھی ہم　　نہیں درد کی اور کوئی دوا ہے

کرے چھوٹے مُنہ سے بڑی بات کوئی　　مرے دل کا اتنا کہاں حوصلا ہے

وہ اپنے ہی کرتُوت کے ہیں نتیجے　　جہاں میں جو ہوتا بھلا یا بُرا ہے

یہ دُنیا ہے کیا کون ہے اسکا خالق　　نہیں آج تک راز اس کا کھُلا ہے

زمیں آسماں چاند سورج ستارے　　یہ کیوں سب ہیں گردش میں کیا ماجرا ہے

خودی دُور ہو تو خدا ہاتھ آئے　　حقیقت کا بس اک یہی مدعا ہے

ہُوا اور نہ ہوگا موافق زمانہ　　یہ ہے کھیل قسمت کا جو ہو رہا ہے

سُنو گے نہ گلشنؔ کبھی تم ہماری
جو چاہو کرو ہم سے کیا پوچھنا ہے

(۱۲۱)

پسِ پردہ کیا ہے؟ خبر ہی نہیں ہے ۔۔۔ وہاں تک نظر کا گذر ہی نہیں ہے
بُروں کو بھلائی کی تلقیں کہاں تک ۔۔۔ طبیعت پہ اُن کی اثر ہی نہیں ہے
ہو امید کیا اُن سے اہلِ وفا کو ۔۔۔ محبت پہ جن کی نظر ہی نہیں ہے
جو مغرور ہیں چلتے ہیں سر اُٹھا کر ۔۔۔ شجر کیا جُھکے جب ثمر ہی نہیں ہے
نظر نیچی رکھتے ہیں دانا و بینا ۔۔۔ زمانے کا ان کو خطر ہی نہیں ہے
جو ہے گفتگو مختصر۔ صاف۔ سچّی ۔۔۔ وہ زیبا بھی ہے با اثر ہی نہیں ہے
سمندر کی تہ میں ہزاروں ہوں لیکن ۔۔۔ نہ خوش آب ہو جو گُہر ہی نہیں ہے
نہ ہے علم و دیں ہی نہ ہے زور و زر ہی ۔۔۔ اُڑوں کیا کہ بازو میں پَر ہی نہیں ہے
بچا کس کا دُنیا میں دھبّے سے دامن ۔۔۔ نہ ہو داغ جس میں قمر ہی نہیں ہے
بتائیں ہم آئندہ کی بات کیونکر ۔۔۔ ہمیں حال کی تو خبر ہی نہیں ہے

کہیں جاؤ سائے کے مانند گلشن
کوئی جُز عمل ہم سفر ہی نہیں ہے

(۱۲۲)

دل جلوہ گاہِ حق ہے دل خانۂ خدا ہے　　جو گوش دل میں آئے برحق وہی صدا ہے
وہ گُل میں بوئے گُل ہے وہ مہر میں ضیا ہے　　ہو کر عیاں نہاں ہے یہ طرفہ ماجرا ہے
یہ رمز خاک سمجھے جو عقلِ نارسا ہے　　سب کے بھلے میں شامل ہر فرد کا بھلا ہے
عاقل کے واسطے یہ کافی ہے اک اشارہ　　اس زندگی کا تیری خدمت ہی مدعا ہے
قابو میں ایسے دل کے آنا نہیں مناسب　　جس پر عدول حکمی کا داغ لگ چکا ہے
انساں وہی ہے کرتا ہوتی ہے جیسی خواہش　　ہوتا ہے دل میں جیسا ویسا ہی دیکھتا ہے
جس شے کا اہل جو ہے ملتی وہی ہے اسکو　　اس بھید سے مگر کب انسان آشنا ہے
ہاتھ آئے وقت جتنا نیکی میں صرف کردو　　یہ زندگی تمہاری پانی کا بلبلا ہے
قحط و وبا ہے کیا شے یہ جنگ و زلزلہ کیا　　سچ پوچھیے تو اپنے اعمال کی سزا ہے
یہ دل خراش منظر یہ جاں گداز صورت　　دیکھوں اب اور آگے کیا مجھکو دیکھنا ہے
نقشے جہاں میں جیسے سب کے الگ الگ ہیں　　ویسی ہی ہر کسی کی قسمت جُدا جُدا ہے

بہتے ہی سب کو دیکھا آبِ رواں کی صورت — چلتے اُدھر کو پایا جس سمت کی ہَوا ہے
انساں کو اپنے عالَم میں سوجھتا نہیں کچھ — ایسا خودی نے دل پر سکّہ جما دیا ہے
اک سعیِ بے اثر ہے دُنیا میں فکرِ راحت — آفاقِ بے وفا میں کیا رنج کے سوا ہے
اپنی رضا کو اُس پر تُو چھوڑ دے سراسر — کرانے بشر ہمیشہ خالق کی جو رضا ہے

کیا ذکرِ بلبُل و گُل کیا فکرِ ساقی و مُل
تیری غزل کا گُلشن عالَم ہی کچھ نیا ہے

۱۶

(۱۲۳)

اکیلے ہم نہیں ہمراہ اپنے دل کی محفل ہے
اُسی محفل میں رہتے ہیں جہاں دلچسپیِ دل ہے

وہی انساں ہے جس کو امتیازِ حق و باطل ہے
جو ہے شیدائے دُنیا اُس کو یہ احساس مشکل ہے

اگر ہیں خواہشیں جھوٹی تو تدبیریں ہیں لاحاصل
ملے گا آخرش اُس کو وہی جو جس کے قابل ہے

بچے دُنیا کے مکروہات سے دل میں ہو یادِ حق
کس و ناکس کے کام آئے جو دُنیا میں وہ کامل ہے

جہاں میں یوں تو کہلاتے ہیں عالم سب ہی بڑھ چڑھ کر
مگر عالم وہی ہے علم کا جو دل سے عامل ہے

جو کچھ ہیں، اپنے ہی اعمال کے وہ کارنامے ہیں
جو سچ پوچھو تو دُنیا میں نہ بسمل ہے نہ قاتل ہے

// رہے گا آگ کے جو پاس وہ بچ ہی نہیں سکتا
کھنچے گا جو بُری صُحبت سے دُنیا میں وہ غافل ہے

یگانے بھی نظر آتے ہوں بیگانے جہاں کیونکر
نہ بھاگیں اُس جگہ سے ہم وہاں کیا لطف حاصل ہے

مزا آتا سُبکدوشی جو ملتی بارِ عصیاں سے
غضب ہے بوجھ یہ سر پر ابھی تو دُور منزل ہے

بچائے اب خدا ہی موجِ آفت کے تھپیڑوں سے
نہ کوئی ناخدا میرا نہ کشتی ہے نہ ساحل ہے

// جو دیکھے چشمِ بینا سے حقیقت سب نظر آئے
فرشتہ ہو کے کیوں انسان حیوانوں میں شامل ہے

ہے محوِ رنگ و بو وہ گُلشنِ معنیٰ و صورت میں
نہیں غافل ہے لیکن کہتے ہیں گُلشنؔ کو غافل ہے

(۱۲۴)

دل محبت میں ملا ایذائیں پانے کے لیے
آنکھیں پائیں ہجر میں آنسو بہانے کے لیے

ہاتھ ہاتھ آئے ہیں سر پر خاک اُڑانے کے لیے
پانو پائے تیرے در پر آنے جانے کے لیے

مجھ کو تجھ سے ربطِ خاص اور تجھ کو سب سے واسطہ
مَیں ہوں تیرے واسطے تُو ہے زمانے کے لیے

بس ہمیں پر روز کرتا ہے فلک جور و ستم
کیا ہمیں دُنیا میں ہیں اِک آزمانے کے لیے

اک نظر دیکھو تو ہو جائے سکونِ دل نصیب
مضطرب ہوں حالِ زار اپنا دکھانے کے لیے

تیری محفل سے جو اُٹھوں بھی تو جانا ہے محال
دردِ دل موجود ہے اُٹھ کر بٹھانے کے لیے

کیوں نہ اس ملنے ملانے کو غنیمت جانیے
زندگی آپس میں ہے ملنے ملانے کے لیے

عشق کی دولت نہ ہاتھ آئی کسی تدبیر سے
لُٹ چکے ہم سیکڑوں بار اس خزانے کے لیے

✓ہم کو گلزارِ جہاں سے یہ سبق گلشنؔ ملا
آئے تھے دُنیا میں اپنے کو مٹانے کے لیے

۹

(۱۲۵)

کرشمے دیکھے زمانے میں جو زمانے کے
کسی کے دیکھنے کے ہیں نہ وہ دکھانے کے

بھلے ہیں ہم تو زمانہ بھلا برے تو برا
ہمیں تو آئنہ داروں میں ہیں زمانے کے

اسی کسوٹی پہ کھوٹا کھرا نکلتا ہے
مصیبتوں کے ہیں دن اپنے آزمانے کے

پڑی ہے بلبلِ ناشاد پر یہ کیا اُفتاد
کہ تنکے ڈھونڈتی پھرتی ہے آشیانے کے

نفس کی آمد و شد میں پڑے جو کچھ اُلجھن
تو ٹوٹ جائیں ابھی تار تانے بانے کے

کہاں کا عیش مصیبت کہاں کی اے ناداں
یہ دو ورق ہیں تری زیست کے فسانے کے

بشر کی آمد و شد ہستی و عدم میں ہے

نہیں ہیں رستے یہ مسدود آنے جانے کے

نہ پوچھ ہم سے یہ ہمدم کہ کل کہاں ہونگے

یہ بات ہاتھ میں ہے اپنے آب دانے کے

طیور شن کے اسے نغمہ خواں ہوئے گلشن

ہیں باغِ دہر میں چرچے ترے ترانے کے

۹

(۱۲۶)

ہر بات میں کہنا، کوئی مجھ سا تو نہیں ہے
اے نفس یہ تیرے لیے زیبا تو نہیں ہے

وہ وعدہ جسے روزِ ازل تم نے کیا تھا
تم بھول گئے ہو کہیں ایسا تو نہیں ہے

مخلوق کی خدمت بھی ہے خالق کی عبادت
سب کہتے ہیں لیکن کوئی کرتا تو نہیں ہے

بڑھ بڑھ کے عبث لوگ کیا کرتے ہیں باتیں
بادل جو گرجتا ہے برستا تو نہیں ہے

احباب سے منہ موڑتے ہو کیا سبب اسکا
وحشت ہے جنوں ہے تمھیں سودا تو نہیں ہے

کرتے نہیں تم پرسشِ احوالِ غمِ ہجر
یہ دردِ محبّت کا مداوا تو نہیں ہے

تقدیر کا یہ کھیل نہیں ہے تو ہے پھر کیا
ہم چاہیں جو ہونا کبھی ہوتا تو نہیں ہے

ہر اشک سے پیدا ہے جو ایک موجِ بلاخیز
ان آنکھوں میں سرچشمۂ دریا تو نہیں ہے

مل جائے جو وہ ساری خدائی مجھے مل جائے
کچھ اُس کے سوا اور تمنّا تو نہیں ہے

عقبیٰ ہی کی دُھن آٹھ پہر رہتی ہے گلشن
صد شکر کہ دل مائلِ دُنیا تو نہیں ہے

۱۰

(۱۲۷)

مخدوم بن کے ہم کوئی خدمت نہ کر سکے
پیدا کسی کے واسطے راحت نہ کر سکے
عادت بُری بدلنے کی ہمّت نہ کر سکے
تبدیل کرنی چاہی تھی قسمت نہ کر سکے
اپنے ہی مدّعا کی رہی فکر رات دِن
بے واسطہ کسی سے محبّت نہ کر سکے
جب ابتدا غلط ہو تو پھر اِنتہا کہاں
حاصل وہ کیا کرے گا جو محنت نہ کر سکے
مانا کہ زور و زر بھی ہے اور علم و عقل بھی
کیا فائدہ جو دُور مصیبت نہ کر سکے

جانیں گے دوسروں کی حقیقت وہ کس طرح
معلوم خود جو اپنی حقیقت نہ کر سکے

پورا کبھی نہ اُن کا ہوا زندگی میں کام
جو اپنے بس میں اپنی طبیعت نہ کر سکے

یہ زندگی کا راز قیامت کا راز ہے
حل جس کو ہم بہ دانش و حکمت نہ کر سکے

انساں کا ملنا دہر میں آساں نہیں کوئی
سیرت کا ہم قیاس بہ صورت نہ کر سکے

نفرت تھی جنکے دل میں وہ نفرت ہی میں رہے
حاصل بھلے کی وہ کبھی صحبت نہ کر سکے

اپنے لیے جو چاہی تھی عزّت خدا نے دی
لیکن ہم اپنی آپ ہی عزّت نہ کر سکے

بخشش تھی اُس کی اتنی کہ مجبور ہو کے ہم
اندازۂ نوازش و نعمت نہ کر سکے

سود و زیاں کے غم میں ہوئی عمر رائگاں
حاصل جہاں میں لطفِ فراغت نہ کر سکے

گلشن جہاں میں فرض تھا بندے کا بندگی
دُنیا میں کیا کیا جو عبادت نہ کر سکے

۱۴

(۱۲۸)

مل جائے دل سے دل جو نظر سے نظر ملے
جب ہو نہ ذوقِ راہ، تو کیا رہگذر ملے

بے لوث ہو کے دہر میں رہنا ہے زندگی
کیونکر بچے گا داغ سے، دامن جو تر ملے

احساس دشمنی کا، محبت کے نام سے
جب کانٹے بوئے جائیں، تو کیونکر ثمر ملے

تقدیر کا ہے کھیل، اسے اور کیا کہیں
پتھر کسی کو، اور کسی کو گہر ملے

دُنیائے بے ثبات کا، اندازہ ہے یہی
طائر کو ذبح کیجئے تو مُشت پر ملے

جائے گا تیرا مال ترے ساتھ، قبر تک
اور اُس کے بعد، اپنا عمل ہمسفر ملے

کیا فائدہ، کہ ہو گی نہ تکمیل کام کی
دن زندگی کے تجھکو زیادہ اگر ملے

حاصل سبق ہوا ہے اِنہیں سے، خدا گواہ!
دُنیا کے تجربے جو ہیں، عُمر بھر ملے

ہر حرف اک اشارہ ہے ہر لفظ اک سبق
گلشنؔ سخنوروں میں تمہیں باخبر ملے

(۱۲۹)

حق و باطل کا سمجھنا ایک اعلیٰ کام ہے — رہروو! دُنیا یہ کیا ہے؟ گمرہی کا دام ہے
جب ہر اک آغاز کا، ہوتا ضرور انجام ہے — پھونک کر دھرتا نہیں ہے جو قدم، ناکام ہے
نام سے پیدا نہیں ہوتی ہے وقعت کام کی — یاد رکھنا چاہئے یہ، کام ہی سے نام ہے
چاہیے دل کی صفائی کام کی عظمت کے ساتھ — ورنہ ہر سعیِ عمل، الزام ہی الزام ہے
جس میں ہو ایثار بھی شاملِ محبت ہے وہی — جو نہ ہو ایسی محبّت، وہ برائے نام ہے
ساری ظاہر داریوں کو دل سے کہیے خیر باد — راستی اور آشتی سے زندگی باکام ہے
کارِ ذاتی سے غرض کوئی نہ رکھنی چاہیے — ہو غرض جس میں نہ اپنی وہ رفاہِ عام ہے
طالبِ آرام کو، راحت نہیں ملتی مُفت ہے — سہہ لی جب تکلیف، پھر آرام ہی آرام ہے
ہر کوئی ہر کام کے قابل نہیں ہوتا کبھی — جس کے لائق جو ہے اُسکا بس وہی اک کام ہے

ملنے کے قابل ہے جو شے، وہ نہیں ملتی کہیں　　　جنس ناقص مل رہی ہے، اور لاکھوں دام ہے
علم کی ہوگی ترقّی، ذوق و شوق سعی سے　　　عالمو! عامل بنو! دل کا یہی پیغام ہے

التجا ہے، "گر قبول افتد زہے عزّ و شرف"
بادۂ الفت کا گلشن لے کے حاضر جام ہے

۱۲

(١٣٠)

حقیقت کا پردہ جو کوئی اُٹھائے — تو وحدت کا نقشہ وہ دل میں جمائے

جو مجبور ہے وہ زباں کیا ہلائے — اُسے دیکھنا ہے جو قسمت دکھائے

ہے آنکھوں پہ رنگین شیشے کا چشمہ — نظر دیکھتی ہے وہ جو اس میں آئے

خیالات کی کشمکش ہو جو ایسی — تو کس طرح دل میں محبت سمائے

کہاں تک کوئی دل کسی کا ٹٹولے — کہاں تک کسی کو کوئی آزمائے

محبت کا اندازہ ہے سخت مشکل — یہ وہ راز ہے جو سمجھ میں نہ آئے

سُکھی رہنا دُنیا میں چاہے جو گلشن
کبھو دل کسی کا نہ ہرگز دُکھائے

حصّۂ اوّل

تمام شد

حصۂ دوم

باغِ خوشنما

قطعے۔ نظمیں۔ مخمس۔ قصیدے۔ تاریخیں

اور ایک منظوم لکچر

(١)

الفاظ میں جس طرح نہاں نکہتِ گل ہے
پوشیدہ ہیں یوں رازِ حقیقت کے معانی

دل کا ہے اگر ساز تو ہے سوز بھی پیدا
سمجھائے گی دل کی کشش اسرارِ نہانی

(۲)

خوشبو ہے گل تر کی طرح حرف کے اندر
رنگیں ہیں نہاں اور حقیقت کے معانی

دل میں ہو اگر سوز تو ہو ساز بھی پیدا
کھل جائے در گلشن اسرار نہانی

(۳)

عرض مطلب ہے یہ حفظ ادب بالغ ہے
جلسۂ شعر و سخن ہے شعرا کی محفل

کون سنتا ہے زمانے میں سنائیں کس کو
دل کی آواز سمجھ لینے کو درکار ہے دل

(۴)

لوگ کہتے ہیں کوئی راہ دکھاتا ہی نہیں
ہم یہ کہتے ہیں کہ دیکھو کوئی ایسا ہی نہیں

چاہ بے پردہ ہے لیکن کوئی پیاسا بھی تو ہو
پانی کیوں کر کھنچے جب کھنچنے والا ہی نہیں

(۵)

فراغت نہ ہوئی کبھی تجھے زندگی میں
غلط ہے سمجھا اس کو پایا ہے

پہیلی سی ہے صرف انداز پیدا
اگرچہ تعلق سے تو دل بٹا ہے

(۶)

راحت ہے نام جسکا اے دل بتا کہاں ہے

دولت میں وہ نہیں ہے عزّت میں بھی وہ نہیں ہے

اولاد سے ملے گی چھوٹا سا اک گماں ہے

تقدیر میں نہیں تدبیر گر نہیں کہیں ہے

(۷)

سکندر تشنہ لب ہی واپس آیا آبِ حیواں سے
خضر کا اس کو ملنا اور نہ ملنا ہو گیا یکساں

بدل سکتی نہیں تدبیر سے تقدیر کی صورت
وہی پودا اُگیگا تخم میں جس کے ہو جو پنہاں

(۸)

گلاب میں جو ہے کانٹا بغور دیکھا ہے
بغیر اس کے نہیں اس کی خاک بھی زینت

خوشی و رنج ہیں توام مثال صبح و مسا
خیال رکھ کہ چھپا ان کا درست رکھ زینت

(۹)

پیشہ کر لے نصیحت پیشہ میں عمل زری کا پوش
جو ہاتھ خالی پاؤ تو ہے فضول جوش و خروش

رکھ اپنی وضع کو سادہ طریق کو آساں
ضروریات کو کر کم مثال خانہ بدوش

(۱۰)

لاؤ تو ترا احسان فراق بنا لے گا تجھ بن
تتلی کی طرح پھول میں آ تو رہ نہیں سکتا

سنتا جو نہیں بات جو سمجھا ہے کسی کی
کیا ہوگا ترا حشر تیری سمجھ نہیں سکتا

(۱۱)

جہاں رنگ کوہیں نشاطِ چمن بھی
یہاں سنگ خوردہ کوئیل سا نعرہ زن بھی

سب کو عیش میں بھی ثبات و کلام یارب
ہر ایک حال کو وابستہ فن بھی

(۱۲)

فی الجملہ بہتری کے کچھ آثار ہو گئے
حالاتِ غم سے اور بھی خبردار ہو گئے

اب آ رہی ہے اُن کو نظر اپنی بیکسی
سوتے ہوئے زمانے کے بیدار ہو گئے

(۱۳)

سب اچھا یا بُرا ہے اپنے دم سے
جو ہم اچھے تو ہے اچھا زمانہ
رہے قابو میں اپنا نفسِ سرکش
طریقے چھوڑ دو تم وحشیانہ
یہ ہے کلجگ کا دورِ بے تمیزی
ہے جس میں مبتلا سارا زمانہ
صداقت ہے نہ ہے دل میں محبّت
بلا کا دام ہے آفت کا دانہ

روشِ دُنیا کی ہے بے اِتفاقی
یگانہ کب رہا کوئی یگانہ
سمجھ غافل فنا ہو کر جہاں میں
ترا رہ جائے گا کیا جز فَسانہ
اُڑے گا کیا جہالت کے پروں سے
"کہ عنقا را بلند است آشیانہ"

(۱۴)

بیش و کم کچھ فرق ہوتا ہے ضرور
ورنہ خالی عیب سے کوئی نہیں

ہے شکایت بے سبب تقدیر کی
سو گئے ہم وہ مگر سوئی نہیں

خواہشیں پوری ہوں بے تدبیر کیا
خاک کاٹیں فصل جو بوئی نہیں

اس طرح کیا خاک اُبھریں ہمّتیں
حوصلہ کیا ہو جو دل جوئی نہیں

جس طرح ممکن ہو گلشن کر بسر
ہم نے یہ مانا ترا کوئی نہیں

(۱۵)

ختم قصّہ ہوا باقی رہا اک کا نام
کوہ و تیشہ نہیں شیریں نہیں فرہاد نہیں

غم وحرمان و محبت کا یہی مسکن ہے
خانۂ دل کو نہ سمجھے کوئی آباد نہیں

سیرتِ خوب سے ہے خوبیِ صورت کو فروغ
حُسنِ شہرت کا سبب حُسن کی رُوداد نہیں

عہد و پیمانِ وفا بھول گئے تم گلشن
پھر نہ کہنا ہمیں رودادِ ازل یاد نہیں

(۱۶)

کرلو تم آج سب کچھ کل کی کسے خبر ہے
کیا گُل کھِلیں زمیں پر کیا رنگِ آسماں ہو
پیدا کرو دل ایسا سب متفق ہوں جس سے
ایسی زبان رکھو جو دل کی ترجماں ہو
تیر و کماں کا ہرگز محتاج وہ نہیں ہے
ناوک ہو آہ جس کی دستِ دعا کماں ہو
قدرت کے کارخانے صنعت سے کب ہیں خالی
یہ بھی تو اک فضا ہے گلشن میں جب خزاں ہو

(۱۷)

کہنے کو سب ہیں اپنے لیکن ہے کون کس کا
غیروں سے بھی سوا ہے مطلب نہ نکلے جس کا
ہم پالتے ہیں اِتنا ناز و نعم سے جس کو
وہ جِسم گندگی کا تھیلا بھرا ہے بس کا
دُنیا کا ہے تھیٹر گُلشن عجب تماشا
دھوکے کی ہے یہ ٹٹّی کیا اعتبار اِس کا

(۱۸)

غرور کرنا بہت بُرا ہے صِلہ یہ شیطان کو مِلا ہے
جہاں میں مردود ہے خُدا کا گرایا اُسکو اِسی خودی نے
بہت تھے نازاں جو کرّ و فر پر گھمنڈ تھا جن کو تاج و زر پر
گرا کے تختِ شہی سے در در کیا ہے خاک اُنکو مُدّعی نے

۲

(۱۹)

کیا قیامت ہے گنہ لازم و نیکی برباد
اس خطا پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

ایک جلوہ تھا کہ تھا دیدۂ دل میں پنہاں
اک تماشا تھا مگر بر سرِ بازار نہ تھا

۲

(۲۰)

غمِ عشق کہتے ہیں جسکو سب ہے دلِ حزیں کے لیے غضب
یہ مرض جہاں میں ہے لادوا کہیں اس کی کوئی دوا نہیں
ترا خاص کہنے کا ڈھنگ ہے ترا گلشن اور ہی رنگ ہے
یہ وہ جوشِ دل کی ترنگ ہے جسے دیکھا اور سُنا نہیں

(۲۱)

گلشنؔ خدا کی یاد بھلا اب کرے گا کیا
لبریز جب حیات کا پیمانہ ہو چکا

پڑے جب عیش و عشرت میں تو آزادی کی دھن سوجھی
مگر اس شکل سے کب کس نے آزادی کا پھل پایا

۲

(۲۲)

دُنیا سے بھاگنے والوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی یہ دُنیا
مانند کنول کے پھولوں کے پانی میں رہنا پڑتا ہے

تکلیف اُٹھانے والے کو راحت کی خاک نہیں پروا
آرام کے طالب کو لیکن دُکھ درد بھی سہنا پڑتا ہے

جو ہاتھ اور پانو نہ مار سکے وہ پار کبھی نہیں جا سکتا
بہتے ہوئے پانی کی رَو میں دریا میں بہنا پڑتا ہے

جو عاقل و بینا ہیں بیشک وہ سوچ سمجھ کر چلتے ہیں
کم فہم بہت ہیں گُلشنؔ سے اسواسطے کہنا پڑتا ہے

(۳۳)

قائم رہو قول پہ تم اپنے
سر جائے نہ اپنی بات جائے

دنیا میں عزیز تر ہے ہر چیز
عزت پہ کہیں نہ حرف آئے

(۳۴)

حن ادا ہی راستے تو رستی ہیں جو بھی عام ہیں
کشش جب سے ہوئی ان کی آب ہوئی ہے

ہر ایک شعر ہے گلشن ترا تخیل ہیں
جو بات کرتا ہے تو لاجواب ہوتی ہے

۲

(۳۵)

جنھوں نے ذوق کا جمال دیکھا
انھیں کو ہم نے بحال دیکھا

جنھوں نے دیکھا تجھے بہ گلشن
انھوں نے تیرا کمال دیکھا

(٢٦)

کنھا کرشن/رام کی کچھ کہانی نہیں ہے
فقط طبع کی یہ روانی نہیں ہے

ہر اک عرضِ ہستی کا جوہر وہی ہے
حقیقت شناسوں کا دلبر وہی ہے

مصیبت جو کاٹے وہ خنجر وہی ہے
فزوں تر ہے بہتر ہے خوشتر وہی ہے

کروگے اگر رام/کرشن کی یاد جی سے
نئے پھل ملیں گے نئی زندگی سے

(٢٠)

گو تھا کچھ بھی نہیں عالمِ فانی کے لیے
پائیے پھر بھی کوئی بات کہانی کے لیے

ہے خیالات نفیسہ کا جو سنبیں سخن
چھوڑ کر جاتے ہیں اس گلشن وہ نشانی کے لیے

(۲۸)

سخن

قطعہ

لفظوں میں نہاں نکہتِ گُل بن کے ہمیشہ
رہتے ہیں عجب سرِ حقیقت کے معانی
جو جانتے ہیں ذوقِ معانی کی حقیقت
رودادِ سخن سُنتے ہیں خامے کی زبانی
جب سوز ہو دل میں تو نہ کیوں ساز ہو پیدا
آہنگِ سخن میں نہ ہو کیوں سحر بیانی
بے پردہ نظر آئے نہ کیوں شاہدِ مفہوم
پیدا نہ ہو کیوں گلشنِ اسرارِ نہانی

لفظ سخن تین حروف س ۔ خ ۔ ن سے مرکب ہے اگر س سے مراد سرچشمہ خ سے خیالات اور ن سے نفیس ہو تو سمجھنا چاہیے کہ سخن نفیس خیالات کا سرچشمہ ہے

نظم

دہن میں آدمی کے ہے سخن گویا زباں ہوکر
سخن الفاظ کے پیکر میں ہے روح و رواں ہوکر

سخن رہتا ہے دائم مرنے والوں کا نشاں ہوکر
سخن کے پھول کھلتے ہیں گلستاں بوستاں ہوکر

خُدا کا حرفِ کُن بھی اک سخن تھا جسکی قدرت سے
نہاں جو کچھ تھا آنکھوں سے نظر آیا عیاں ہوکر

سخن واعظ کا کرتا ہے اثر پیدا زمانے میں
کبھی عین الیقیں بن کر کبھی وہم و گُماں ہوکر

دلِ دشمن کو کرتا ہے سخن تسخیر دم بھر میں
محبت کو بڑھاتا ہے کبھی لطفِ زباں ہوکر

جداگانہ سخن کا جلوہ ہے معشوق و عاشق میں
اِدھر پیغامِ غم بن کر اُدھر آرامِ جاں ہوکر

سخن سے جس گھڑی ہوتا ہے طاری وجد کا عالم
وہ عالم کہہ نہیں سکتی زباں بھی خود زباں ہوکر
سخن ہی کا دُھواں ہوتا ہے جو گھُٹتا ہے سینے میں
نکلتا ہے وہی مظلوم کے مُنہ سے فغاں ہوکر
سخن ہی سے بھڑک اُٹھتے ہیں شُعلے بھی عداوت کے
محبت قطع کر دیتا ہے تیغِ بے اماں ہوکر
کبھی بے پردہ ہوتا ہے وہ بن کر رہنما سب کا
کبھی پردے میں رہتا ہے وہی اک رازداں ہوکر
شگفتہ ہیں جو گلہائے سخن بُستانِ معنی میں
رہ اُن کی بوئے مستانہ کا شیدا باغباں ہوکر
سخنددانانِ نامی جن پہ ہم کو ناز ہے اب تک
رہے ہیں وہ سخن ہی کی زمیں پر آسماں ہوکر
یہ وہ جوہر ہے جس کے جوہری ہی قدر کرتے ہیں
صلہ شاہوں سے پایا ہے اِسی نے مدح خواں ہوکر

سخن ہی اک دُعا ہے ہاں سخن ہی بد دعا دل کی
یہی کلمہ ہے جو زیبِ گلو ہے حرزِ جاں ہو کر

سخن اک سچا وعدہ ہے جو ہرگز ٹل نہیں سکتا
سمجھ کر قول دے، وہ کام جو حسبِ بیاں ہو کر

سخن کندہ نہیں تو سکۂ زر بے حقیقت ہے
زمانے میں سخن ہے حکمراں شاہِ جہاں ہو کر

سخن ہی کی کسوٹی پر بشر کو لوگ کستے ہیں
کھرا کھوٹا نکل آتا ہے آخر امتحاں ہو کر

وہی مرشد ہیں جو پاسِ سخن رکھتے ہیں دُنیا میں
چمکتے ہیں وہی روشن ضمیرانِ زماں ہو کر

سخن بینو! سخن فہمو! سخن سنجو! سخندانو!
رہو دُنیائے معنی میں سخن کے پاسباں ہو کر

سخن گنجینہ ہے گلشن خیالاتِ نفیسہ کا
لٹاؤ جس قدر چاہو بڑھے گا بیکراں ہو کر

(٢٩)

اے بشر دیکھ سبق کیا یہ شجر دیتا ہے

نام ہیں جس کے ہے ثمر خاک بشر دیتا ہے
جب خدا دیتا ہے دامن کو وہ بھر دیتا ہے
اے بشر دیکھ سبق تجھ کو شجر دیتا ہے
مارتا تو تو ہے پتھّر وہ ثمر دیتا ہے
جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں جھلس جاتا ہے خود
دوسروں کے لیے ٹھنڈک وہ مگر دیتا ہے
تو ٹھٹھرتا ہے تو پہنچاتا ہے گرمی وہ تجھے
تو جلا کر اُسے کیا شام و سحر دیتا ہے
بادِ باراں سے وہ ہوتا ہے پریشاں لیکن
ہر پرندے کو وہ آرام کا گھر دیتا ہے

جب بھٹکتا کوئی پھرتا ہے مسافر گمراہ
دُور سے اُس کو وہ راحت کی خبر دیتا ہے
مُفلسوں کے لیے بنتا ہے وہ اسبابِ معاش
پہلے پھل دیتا ہے پھر پھل سے وہ زر دیتا ہے
صبر سے شکر سے صدمے سے غرض ہے دن رات
اپنی ہستی کو بھی برباد وہ کر دیتا ہے
اُس کی طاعت میں اسی طرح لگائیں من دھن
رزق بے مانگے جو ہر شام و سحر دیتا ہے

۹

(۳۰)

جلوۂ حق

وہ آنکھوں میں میری سمائے ہوئے ہیں ۔۔۔ کہ گھر جان کر دل میں آئے ہوئے ہیں
جدھر دیکھتا ہوں اُنھیں کا ہے جلوہ ۔۔۔ مگر اپنی صورت چھپائے ہوئے ہیں
وہ ملتا ہے جس کو ہے اُس کی تمنّا ۔۔۔ خود اپنی غرض سب بُھلائے ہوئے ہیں
جو بے رنگ صد رنگ میں ہو کے نکلیں ۔۔۔ وہ جلوے زمانے پہ چھائے ہوئے ہیں
نہ جینے سے خوش ہیں نہ مرنے کا غم ہے ۔۔۔ کہ نقشِ دوئی ہم مٹائے ہوئے ہیں
جو رہتے ہیں رنج اور راحت میں یکساں ۔۔۔ وہ ہر امتحاں آزمائے ہوئے ہیں
جو اوروں کے آرام و راحت کی دُھن میں ۔۔۔ زر و مال اپنا لُٹائے ہوئے ہیں
امیری غریبی میں وہ سب ہیں یکساں ۔۔۔ قناعت کا تکیہ لگائے ہوئے ہیں

غم اوروں کا جو دیکھ سکتے نہیں وہ ۔۔۔ دل اپنا خوشی سے ہٹائے ہوئے ہیں
جنھیں نفسِ سرکش پہ اپنے ہے قابو ۔۔۔ وہ شیروں کے دل بھی ہلائے ہوئے ہیں
جو رکھتے ہیں بس میں زبان اور دل کو ۔۔۔ وہ چپ رہ کے مطلب سُنائے ہوئے ہیں
جو کرتے نہیں فاش رازِ حقیقت ۔۔۔ وہ ہر نقش دل میں جمائے ہوئے ہیں
وہی خوب واقف ہیں ہستی سے اپنی ۔۔۔ جو نام و نشاں تک مٹائے ہوئے ہیں
فرائض کو پورا کیا ہے جنھوں نے ۔۔۔ لگاوٹ کو دل سے مٹائے ہوئے ہیں
ہے وردِ زباں جن کے نامِ الٰہی ۔۔۔ وہی اپنا سکّہ چلائے ہوئے ہیں
نہیں دھرم سے اپنے ہٹتے جو پیچھے ۔۔۔ قدم حق کی جانب بڑھائے ہوئے ہیں
مقدر پہ جن کو ہے پورا بھروسا ۔۔۔ تدابیر کو آزمائے ہوئے ہیں
جو فانی جہاں سے بقا کو سدھارے ۔۔۔ وہ قضیے جہاں کے چُکائے ہوئے ہیں
وہ مُردہ نہیں اُن کو مُردہ نہ سمجھو ۔۔۔ جو آرام مرقد میں پائے ہوئے ہیں
خزانہ ہوا اُن کو عقبیٰ کا حاصل ۔۔۔ جو دُنیا کی دولت لُٹائے ہوئے ہیں

خدائی ہیں وہ دیکھتے ہیں خدا کو
خدا ہی سے جو لَو لگائے ہوئے ہیں

ولی اور رہبر رِشی بھگت سوامی
لقب کس مراتب کے پائے ہوئے ہیں

دکھاتے ہیں رستہ جو رستے پہ چل کر
وہی لُطفِ منزل اُٹھائے ہوئے ہیں

بہ سرعت یہ باتیں نہیں ہوتیں حاصل
یہ مدّت کے توشے کمائے ہوئے ہیں

ہے اک راستہ سب کی منزل کا لیکن
قدم آگے پیچھے اُٹھائے ہوئے ہیں

ہیں گُلشنؔ وہ مقبول جو عاجزانہ
سر اُس کی رضا پر جھکائے ہوئے ہیں

(۳۱)

"با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا"

وہ دن کہاں کہ جب تھا نام و نشاں ہمارا　　ہندوستاں کے ہم تھے ہندوستاں ہمارا
ہم ہی نہیں اب اُس کے تو وہ کہاں ہمارا

اپنی روش کو چھوڑا تنظیم زشت سیکھی　　ایماں سے مُنہ کو موڑا دُنیا عزیز سمجھی
پھر بھی نہ بن سکا وہ آرام جاں ہمارا

وہ طرز اب نہیں ہے وہ ڈھنگ اب نہیں ہے　　وہ وضع اب نہیں ہے وہ رنگ اب نہیں ہے
باقی نہیں ہے کوئی اب رازداں ہمارا

پڑتی تھی آنکھ جس پر اب وہ جہاں نہیں ہے　　اب وہ زمیں نہیں ہے وہ آسماں نہیں ہے
گلشن میں اب کہاں ہے وہ آشیاں ہمارا

باتیں ہیں سب زبانی دل پر اثر نہیں ہے   کیا ہو رہا ہے اس کی ہم کو خبر نہیں ہے
کس مُنہ سے کہہ رہے ہیں ہندوستاں ہمارا

آئی ہے سر پر آفت دُنیا میں کتنی کتنی   اک دوسرے کو پوچھے فرصت کہاں ہے اِتنی
کب ختم ہو گا یارب خوابِ گراں ہمارا

ہر وقت نکتہ چینی ہر دم عناد اُس پہ   پیدا ہوا ہے جس سے دل میں نفاق گھر گھر
ہے تخم رنج آخر وہم و گماں ہمارا

اِفشائے راز کر کے کھوئی ہے بات اپنی   وہ دن گئے کہ بھاری بھر کم تھی ذات اپنی
ہے اب تو آشکارا رازِ نہاں ہمارا

تیر و کماں تھے اک دن دستِ دعا ہمارے   ہوتے تھے دشمنوں کے دم بھر میں وارے نیارے
اب بے اثر ہے ضبطِ آہ و فغاں ہمارا

ہم میں بھی تھی صداقت ہم میں بھی تھی شُجاعت   ہم میں بھی تھی رفاقت ہم میں بھی تھی شرافت
کھو بیٹھے سب، تھا جن سے نام و نشاں ہمارا

آسائشیں کہاں ہیں دشواریاں بہت ہیں   افلاس کی ہے یورش ناداریاں بہت ہیں

غفلت نے آہ کھویا آرام جاں ہمارا

دل اپنا سو رہا ہے تقدیر کیا دکھائے   رخصت وہ ہو رہا ہے کیا دیکھیں پیش آئے

اب پیر ہو گیا ہے بختِ جواں ہمارا

ہو متحد اسی سے پیدا مآل ہو گا   کہتا ہے کون تم کو حاصل زوال ہو گا

صرفِ خزاں نہ ہو گا یہ گلستاں ہمارا

بے کارِ محض ہیں سب فریاد کرنے والے   جب دردِ دل نہیں ہے گلشن عبث ہیں نالے

کہنے کو اک جہاں ہے گو ہم زباں ہمارا

۱۴
۲۱

(۳۲)

شراب خانہ خراب

نہ کبھی خدا کا عتاب ہو کبھی عاقبت نہ خراب ہو
جگر اور دل نہ کباب ہو جو کوئی نہ مستِ شراب ہو

یہ شراب آبِ مَمات ہے نہ سمجھ کہ آبِ حیات ہے
یہ وہ بد بَلا ہے کہ جو پیے اِسے اُس کا خانہ خراب ہو

یہ وہ پیرزال ہے بدگُہر کہ مواصلت سے ہو دردِ سر
نہ لگائے مُنہ اسے ذی ہُنر وہ ہو شیب یا کوئی شباب ہو

یہ ہے قولِ گلشنِ باصفا کہ کبھی نہ مُنہ سے اسے لگا
وہ ہے بدنصیب جہاں میں جو شراب پی کے خراب ہو

(۳۴۳)

چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی

چمن کو سینچ تو دل کے لگا کر عشق کا پانی
کھلیں گے خوشنما گُل اور خوشبو ہو گی لاثانی

نرا آباد ہو جائے گا گھر بازار و قریہ تک
بڑھے گی مُلک کی دولت جُدا ہو گی پریشانی

نہیں کرنا ہے تجھکو رحم مرغانِ خوش الحاں پہ
چھُری گردن پہ اُن کی پھیرنی ہے سخت نادانی

حفاظت دل کی کر جیو اں نہ بن کر یاد خالق کو
نہ ہاتھ آئے گا پھر یہ جامۂ خوش رنگ انسانی

لُٹاتا ہے مکاں کا اپنے سرمایہ شرابوں میں
پھر اس پر بے زری کی ہے شکایت وائے نادانی

لڑکپن کھیل میں کھویا جوانی نیند بھر سویا
یوہیں کرتا رہا وقتِ گراں مایہ کی قربانی

پھنسا عالَم میں آکر خوب عالم کے مزے لُوٹے
عمل تیرا تھا دُنیاوی مگر باتیں تھیں رُوحانی
چلا وہ چال آجائے زمانہ جس سے دھوکے میں
غلط ظاہر کیا سب پر سخی ہوں اور مَیں دانی
مطالب کی ہوس تھی اور دعویٰ بے نیازی کا
رہی پیشِ نظر اپنی ہی خواہش کی نگہبانی
بہ زعمِ پارسائی تھی خوشامد کی طلب ہردم
بہ اظہارِ فقیری تھا طریقہ تیرا سلطانی
تکبّر کی جھلک ہر بات میں دیکھی زمانے نے
کریگا کس طرح تو خاکساروں کی نگہبانی
جہالت کو بھی بے علمی سے تیری شرم آتی ہے
نہیں کچھ جانتا لیکن ہے دعوائے ہمہ دانی
سمجھ ہی جب نہیں تجھ میں کہاں تک کوئی سمجھائے
بنایا ہے کسی نے نقش پتھّر پر بہ آسانی

پُرانی وضع کی جو ہے عمارت کتنی محکم ہے
ذرا کر غور اس پر اے نئی بُنیاد کے بانی

جو خود گمُراہ ہے وہ راہ پر کیا لائے اوروں کو
کسی اندھے کی اندھا کر نہیں سکتا نگہبانی

اگر خواہش ہے تجھ کو رازِ ہستی کے سمجھنے کی
ضروری ہے کہ قابو میں ہو پہلے نفس حیوانی

ضرورت ہے کہ پہلے جوہرِ قابل بنا خود کو
ملائک کی تجھے منظور کرنی ہو جو مہمانی

وہ بیہودہ عمل ہے جو سوا اسکے نظر آئے
وہ کرنا چاہیے حاصل ہو جس سے لطفِ یزدانی

ہوا ہے انقلاب ایسا کہ اب دُنیا ہے فانی ہیں
نہیں سُنتا کسی کی کوئی سب کرتے ہیں مَن مانی

عناد آپس میں رکھنا سخت ننگِ آدمیّت ہے
محبت سے بسر کر زندگی یہ دار ہے فانی

دلِ روشن وہ ہے جو جانتا ہو رازِ عالم کو
وہی رہرو ہے ہو معلوم جس کو راہِ حقّانی
حیا و شرم خوش خوئی خوش اخلاقی سے رکھ مطلب
ملنساری ہے دل جوئی بھی حسنِ پاک دامانی
ہمیشہ پیش آ سب سے محبت سے جہاں تک ہو
نہ ہو گا پھر کوئی تیرا جہاں میں دشمنِ جانی
برابر جاں نثاری چاہیے قانونِ قدرت پر
یہی ہے آدمیت بس یہی ہے فرضِ انسانی
جو کہنا تھا مناسب کہدیا الفاظِ سادہ میں
کہاں گلشن کہاں سرمایۂ علم و سخندانی

(۳۴)

فقیر کی صدا

ہاں، ہاں! راہِ خدا، بیں یہ سن لے ذرا   تجھے دیں گے دُعا، تیرا ہو گا بھلا
ابھی دم میں ہے دم، تجھے کا ہے کا غم   تیرا دستِ کرم، تیری ٹالے بلا
بابا پیسا نہ جوڑ، اُٹھ تالے کو توڑ   مُنہ ہرگز نہ موڑ، خود کھا اور کھلا
دیکھ ہمت نہ ہار، اپنی حالت سنوار   اپنے من ہی کو مار، دے خودی کو بھلا
دُور ہو گا وبال، اپنی کرنی سنبھال   کیوں گالی نکال، تیرا کیا ہے لیا
آج کر لے تو پُن، رہے اللہ کی دُھن   یہی تیرا ہو گُن، نہ ہو سُن کر خفا
نہیں کل کی خبر، ہو گی کیوں کر گذر   وہی کرا ے بشر، جو ہے اُس کی رضا

یوں دے کے صدا، چلا در سے گدا
تیرا گلشن ہرا، رہے پھولا پھلا

(۳۵)

سوز و سازِ زندگی

کشمکش پر ہے مدارِ زندگی — ہے اسی پر انحصارِ زندگی
کیا خیالِ انتشارِ زندگی — بے قراری ہے قرارِ زندگی
جان و دل سرمایہ دارِ زندگی — ہے انہیں سے اعتبارِ زندگی
عشق میں جمعیتِ خاطر کہاں — ہے سکوں بھی انتشارِ زندگی
مر کے ملتی ہے حیاتِ جاوداں — موت پر ہے انحصارِ زندگی
موت ہی ٹھہری نگہبانِ حیات — ہے فنا آئینہ دارِ زندگی
زندگی کو موت کا ہے انتظار — موت کو ہے انتظارِ زندگی
موت ہے سرچشمۂ آبِ حیات — واہمہ ہے آبشارِ زندگی
ہوں حریصِ لذّتِ ذوقِ فنا — ہر نفس ہے سوگوارِ زندگی
کیا بھروسا ہستیٔ موہوم کا — بوالہوس کیا اعتبارِ زندگی

کر تمنا موت کی اے بوالہوس — تا بکے اُمید وارِ زندگی

اُلفتِ دُنیائے فانی تا کجا — تا بکے یہ کار و بارِ زندگی

بے خبر! اوّل فنا آخر فنا — کر رہا ہے کیا شمارِ زندگی

سانس جو جاتی ہے پھر آتی نہیں — ہر نفس ہے یادگارِ زندگی

جستجوئے مال و دولت تا کجا — عمر تا کے صرفِ کارِ زندگی

جز ہجومِ یاس پُرساں کون ہے — بے کسی ہے غمگسارِ زندگی

خواب سے بیدار ہو آنکھیں تو کھول — او مرے مستِ خمارِ زندگی

ناتوانی سے نہیں اُٹھتے قدم — ہے وبالِ دوش بارِ زندگی

کہتے ہیں سب گوشۂ راحت ہے قبر — قبر ہے کُنجِ فشارِ زندگی

گو رہا ملتی ہے بشر کو بعدِ مرگ — جیتے جی ہے گھر مزارِ زندگی

موت کا افسوس جینے کی ہوس — ہے یہ جبر و اختیارِ زندگی

عشق ہی ہے دین و دُنیا کی بہار — داغِ دِل ہیں لالہ زارِ زندگی

زندگی زندہ دلی کا نام ہے — دل سے روشن ہے دیارِ زندگی

پھوٹ کر ہر آبلہ ہے غنچہ ریز — گُل ہیں خارِ رہ گزارِ زندگی

نام روشن ہو جہاں میں بعدِ مرگ — ہے یہی عزّ و وقارِ زندگی

اب کہاں وہ ساز و سامانِ حیات — مٹ گئے نقش و نگارِ زندگی

رد نہیں ہوتا کبھی تیرِ قضا — موت کرتی ہے شکارِ زندگی

بس گُلِ باغِ تمنّا کھل چکے
ہو چکی گُلشن بہارِ زندگی

(۳۶)

اقوالِ بزرگاں

جو آغاز ہو کام کا خوشگوار　　فرح بخش کیوں ہو نہ انجام کار
کرو شکر پر ماتما کا مدام　　زباں پر نہ آئے شکایت کا نام
بزرگوں کا فرماں کرو تم قبول　　کبھی بے ضرورت نہ بولو فضول
کرو ضد نہ ہرگز کسی بات پر　　ہمیشہ رہے نیکیوں پر نظر
مداراتِ مہماں نہ چھوڑو کبھی　　غریبوں سے منہ کو نہ موڑو کبھی
رہو تم پڑوسی کے بھی پردہ دار　　زمانے میں ہو جاؤ گے ورنہ خوار
نہ چاہو کسی کے لیے تم برا　　ہے سب کی بھلائی میں اپنا بھلا
بھلائی کی طاقت نہیں ہے اگر　　برائی کسی کی نہ ہو عمر بھر
حسد دوسروں سے نہ رکھنا کبھی　　نہیں انگلیاں پانچ ہیں ایک سی
خوشامد کو چھوڑو کرو بات صاف　　خرابی کی باتیں ہیں لاف و گزاف
لگاؤ نہ لالچ سے دنیا میں جی　　"طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی"

حکومت کی کرسی پہ بیٹھو اگر — تو انصاف کو رکھو پیشِ نظر
دکھانی مناسب نہیں اپنی شان — کہ ہے چار ہی دن کی یہ آن بان
ہے جس دل کو ایذا رسانی پسند — پہونچتا ہے دنیا میں اس کو گزند
بنو نیک سیرت رہو نیک خو — جو بویا ہے کاٹو گے تم ہو بہو
جو ممکن ہو دو آج محتاج کو — خدا جانے کل پاس کچھ ہو نہ ہو
جہاں میں اٹھانا سر اچھا نہیں — "نہد شاخِ پُر میوہ سر بر زمیں"
کرو وعدہ پورا کیا ہو اگر — ہے وعدہ خلافی بہت پُر ضرر
رہے دل ہمیشہ بدی سے بچا — پرکھتا ہے ہر شخص کھوٹا کھرا
مصیبت میں ہر شخص کے آؤ کام — رہو گے اسی شکل سے نیک نام
چہ خوش گفت سعدی زافکارِ خویش — "کہ مزدور خوش دل کند کار بیش"
ہے غصّے کی آتش بھی طرفہ بلا — اسے آبِ الفت سے دو تم بجھا
رہے قرب روشن دلوں کا مدام — بسر ان کی صحبت میں ہو صبح و شام
غلط کیمیا کا ہے تم کو خیال — بجز یاس اس کا نہیں کچھ مآل
نکالو زباں سے نہ گالی کبھی — بری بات لگتی ہے سب کو بری

بھلائی کی قائم کرو تم نظیر
بچو اُس سے جو تم کو کر دے حقیر

نظر عیب پر اپنے رکھو مدام
ہُنر کی رہے فکر ہر صبح و شام

غریبوں کی کرتے رہو دیکھ بھال
کہ رہتا نہیں اک طرح سب کا حال

زباں ایک ہے تو ہو اک بات بھی
نہ سمجھو کسی قول کو دل لگی

کرو اُن کا ہرگز نہ تم اعتبار
جو دشمن ہیں دل سے زباں سے ہیں یار

نہ لو ایک کوڑی کسی سے بھی دام
کہ کرتا ہے قرض آدمی کو غلام

جو احساں کرو تو خموشی کے ساتھ
نہ ہو باخبر جس سے ہے خود اپنا ہاتھ

بُھلاؤ نہ احساں کسی کا کبھی
یہ انسانیت ہے یہ ہے مردمی

جو ظاہر ہو باطن وہی ہو مُدام
غضب ہے چُھری دل میں ہو لب پہ رام

سمجھ کر کرو کام چھوٹے بڑے
کہ دستِ تاسّف نہ ملنا پڑے

جہاں میں کسی کا نہیں ہے کوئی
جو کام آئے اپنے ہے اپنا وہی

خود اپنی سی ہے سب کی جانِ عزیز
خلافِ مروّت ہے کرنا تمیز

کرو پیار بچّوں کو اپنے مگر
نہ ہو لاڈ اتنا کہ ہوں وہ نڈر

لکھاؤ پڑھاؤ کہ ہوں باتمیز
بنیں عقلمند اور ہر دل عزیز

اُنھیں دھرم کی خوب تعلیم دو — کہ اچھے بُرے کی خبر اُن کو ہو
نہیں کم سنی کی ہے شادی روا — بُرا عقدِ پیری ہے بے انتہا
رہے اپنی صحت کا ہر دم خیال — کہ ہو جاتا ہے اس سے پیدا وبال
مصیبت میں مانگو خدا سے دعا — یہ لاکھوں دواؤں کی ہے اک دوا
نہ سمجھو کبھی تم اُسے باصفا — ہو اپنے ہی مطلب کا جو آشنا
وہ بیباک رہتا ہے جو پاک ہو — نہیں آنچ آتی کبھی سانچ کو
گرے گا وہی دوڑ کر جو چلا — کہ نیچا رہا سر بڑے بول کا
نہ ہو موت سے تم کو خوف و خطر — کہ ہے یہ جہاں اک کرائے کا گھر
یوہیں کٹتے جائیں گے لیل و نہار — "مَنِہ دل بریں دَیرِ ناپایدار"
چراغِ ہدایت اُسی کا جلا — جو خود بھی اندھیرے سے بچ کر چلا
سخنہا سے نادر نہ ہوں کیوں پسند — بزرگوں کے اقوال ہیں سودمند

گُلِ تازہ گلشن پئے دوستاں
ز کشمیر بر سوئے ہندوستاں

(۳۷)

خمسہ بر غزل خود

سوز و سازِ زندگی

آگے آگے ہے غبارِ زندگی　　پیچھے پیچھے شہسوارِ زندگی
روز و شب طاری فشارِ زندگی　　کش مکش پر ہے مدارِ زندگی
ہے اسی پر انحصارِ زندگی

مدّ و جزرِ شوق کارِ زندگی　　موجِ طوفاں جوئبارِ زندگی
فرطِ بیتابی شعارِ زندگی　　کیا خیالِ انتشارِ زندگی
بے قراری ہے قرارِ زندگی

بے بُلائے وقت پر حاضر ہے موت　　زندگی کے راز کی ماہر ہے موت
رہنمائے منزلِ آخر ہے موت　　عشق میں جمعیتِ خاطر ہے موت
ہے سکوں بھی انتشارِ زندگی

لے چلا دستِ اجل دامن کشاں　　مرنے والا جارہا ہے شادماں
ہے عبث میت پہ فریاد و فغاں　　مر کے ملتی ہے حیاتِ جاوداں
موت پر ہے انحصارِ زندگی

موت کے دم سے ہے ہستی کی ثبات　　زندگی کی شام ہے صبحِ ممات
اس کے باعث غم سے ملتی ہے نجات　　موت ہی ٹھہری نگہبانِ حیات
ہے فنا آئینہ دارِ زندگی

زندگی کی موت ہے سرمایہ دار　　موت پر ہے زندگی کا انحصار
ڈھونڈھتی رہتی ہے روحِ بیقرار　　زندگی کو موت کا ہے انتظار
موت کو ہے انتظارِ زندگی

روح کی دنیا ہے کیسی پُر فضا　　جسم کو اس سے نہیں کچھ واسطا
چاشنیِ مرگ ہے خود اک مزا　　ہوں حریصِ لذتِ ذوقِ فنا
ہر نفس ہے سوگوارِ زندگی

منزلِ راہِ تمنّا اور ہم — کانپتے ہیں دست و پا گھٹتا ہے دم
طے ہو کیونکر جادۂ ملکِ عدم — ناتوانی سے نہیں اُٹھتے قدم
ہے وبالِ دوش بارِ زندگی

کھینچ لائی ہے کہاں بدقسمتی — سچ کہا ہے بندگی بیچارگی
گریہ بے موقع ہنسی ناوقت کی — موت کا افسوس جینے کی خوشی
ہے یہ جبر و اختیارِ زندگی

غنچۂ دل سے کھلے غنچے ہزار — زخمِ دل سے لہلہائے مرغزار
خونِ دل سے رنگ لائے برگ و بار — عشق ہی ہے دین و دنیا کی بہار
داغِ دل ہیں لالہ زارِ زندگی

پائے رفتن اب کہاں جائے گریز — قافلہ کیونکر رواں ہو تیز تیز
ہے بھری وحشت سے راہِ رستخیز — پھوٹ کر ہر آبلہ ہے غنچہ ریز
گُل ہیں خارِ رہ گذارِ زندگی

کھا کے دو دن باغِ عالم کی ہوا   پھول کر جامے سے باہر کیوں رہا
آج اگر پھولا تو کل مرجھا گیا   کیا بھروسا ہستیِ موہوم کا
بوالہوس کیا اعتبارِ زندگی

آمد و شد ہے نفس کی پیش و پس   ہے یہ پیغامِ سفر بانگِ جرس
کہہ رہا ہے زندگی کا ہر نفس   کر تمنا موت کی اے بوالہوس
تا بہ کے امیدوارِ زندگی

قصہ ہائے زندگانی تا بہ کے   مرنے والوں کی کہانی تا بہ کے
ماتمِ مرگِ جوانی تا بہ کے   الفتِ دنیائے فانی تا بہ کے
تا بہ کے یہ کاروبارِ زندگی

بے بقا ہے یہ بہارِ غم فزا   زندگی کیا زندگی کا لطف کیا
کیا رہا ہے اور کیا رہ جائیگا   بے خبر اوّل فنا آخر فنا
کر رہا ہے کیا شمارِ زندگی

کہتی ہے ہر دم نگاہِ واپسیں   دہر میں کیسا مکاں کیسے مکیں
بے خبر سُن لے یہ قولِ دل نشیں   سانس جو جاتی ہے پھر آتی نہیں
ہر نفس ہے یادگارِ زندگی

ہے تلاشِ سیم و زر میں مُبتلا   ڈھونڈتا پھرتا ہے ناحق جا بجا
موت کو بھی یاد کر مردِ خدا   جستجوئے مال و دولت تا کجا
عمر تا کے صرفِ کارِ زندگی

ہمدم آزارِ پنہاں کون ہے   بے سر و ساماں کا ساماں کون ہے
مفلسی میں اور رہماں کون ہے   جز ہجومِ یاس پُرساں کون ہے
بے کسی ہے غمگسارِ زندگی

ہر متاعِ نیک و بد نظروں میں تول   دُور کر دے جامۂ ہستی کا خول
نیند سے ہشیار ہو کچھ مُنہ سے بول   خواب سے بیدار ہو آنکھیں تو کھول
او مرے مستِ خمارِ زندگی

ہر زباں پر ہو فسانہ بعدِ مرگ   روئے بیگانہ یگانہ بعدِ مرگ
ذکر ہو خانہ بخانہ بعدِ مرگ   یاد کرتا ہو زمانہ بعدِ مرگ
ہے یہی عزّ و وقارِ زندگی

تھے نشاط و عیش عنوانِ حیات   منزلِ عشرت تھا ایوانِ حیات
اب کہاں وہ دل جو تھا جانِ حیات   اب کہاں وہ ساز و سامانِ حیات
مٹ گئے نقش و نگارِ زندگی

ناوکِ دستِ اجل ہے جاں گزا   ہے قیامت ہو کے ترکش سے جدا
غیر ممکن ہے یہ ہو جائے خطا   رد نہیں ہوتا کبھی تیرِ قضا
موت کرتی ہے شکارِ زندگی

خشک پتّے ڈالیوں سے ہِل چکے   اب مرے زخموں کے ٹانکے ہِل چکے
نیک و بد کے مُنہ چمن میں کِھل چکے   بس گُلِ باغِ تمنّا کِھل چکے
ہو چکی گُلگشتِ بہارِ زندگی

(۳۸)

خمسہ بر غزلِ حافظ شیرازی

کوئی خنداں کوئی گریاں کوئی با دیدۂ نم
کوئی نالاں کوئی غمگیں کوئی صرفِ ماتم
لب پہ جاری ہے کسی کے یہی نوحہ ہر دم
ایں چہ شور یست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

چاہتا ہے کوئی دُنیا میں ہوں میں باکام
کوئی کہتا ہے کہ دُشمن کا بُرا ہو انجام
ہے خیال ایک کا حاصل ہو مجھے عُمرِ دوام
ہر کسے روز بہی می طلبد از ایام
مشکل این ست کہ ہر روز بتر می بینم

عالموں کی نہیں سُنتے ہیں جو ہیں نفس پرست
بھول بیٹھے ہیں زمانے میں سب اقرارِ الست
بے ہنر ہیں مے عشرت سے خراب و بدمست
ابلہاں را ہمہ شربت ز گلاب و قند ست
قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم

نہیں ملتا ہے شریفوں کو کہیں امن و اماں
شاد و خرّم ہیں بہ ہر طور سفیہانِ جہاں
پوچ گویانِ جہاں بنتے ہیں اب اہلِ زباں
اسپِ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
طوقِ زرّیں ہمہ در گردنِ خر می بینم

بات سچی جو کہو تو نہیں کرتے باور — نہ رہا پاسِ ادب کچھ نہ بزرگوں کا ڈر
رہتے ہیں جھگڑے نئے چھوٹے بڑوں میں گھر گھر — دختراں را ہمہ جنگ است و جدل با مادر

پسراں را ہمہ بدخواہِ پدر می بینم

جاگزیں دل میں ہر اک شخص کے ہے بغض و حسد — سارے عالم میں تنفر کی ہیں باتیں بے حد
ستم و جور میں ہر فرد کو ہے کاوش و کد — ہیچ رحمے نہ برادر بہ برادر دارد

ہیچ شفقت نہ پدر را بہ پسر می بینم

باز آ پاپ سے اکرؔ وہ جسے کہتے ہیں پُن — عمل بد کی مناسب نہیں تیرے لیے دُھن
گلشنِ آموش میں حافظ کی نصیحت کو سُن — پندِ حافظ بشنو خواجہ برو نیکی کُن

زآنکہ ایں پند بہ از گنج و گہر می بینم

تم

(۳۹)

مخمس

نام سے ایشور ہی کے ہر کام کا آغاز ہو   دھیان میں ہر وقت ہر تارِ نفس اک ساز ہو
راہِ حق میں طائرِ دل مائلِ پرواز ہو   ذات پر اُس کی بھروسا ہو اُسی پر ناز ہو
یہ اگر ہو جائے تو ہر کام میں ہو گا بھلا

اُن کی صحبت میں بسر کرنے کی دل میں ٹھان لے   واقفانِ رمز کو اچھی طرح پہچان لے
جس قدر ہیں رازِ حق ایک ایک کو تو جان لے   ذوقِ دل سے کام لے مٹی سے سونا چھان لے
اور اگر ایسا نہیں تو خاک ہے ہر مدعا

سامعینِ حق نے بھی جو کچھ سنا تیرے لیے   عارفانِ دہر نے جو کچھ کہا تیرے لیے
عالمانِ علم نے جو کچھ لکھا تیرے لیے   رہنمایانِ جہاں نے جو کیا تیرے لیے
کر نہیں سکتا ہے ہرگز شکریہ اُس کا ادا

بہرہ ور ایک ایک شے ہے نورِ حق ہے جلوہ گر   چشمِ روشن رکھ کے کیوں بنتا ہے اندھا سربسر
اس چمن میں کیسے کیسے گل کھلے ہیں خوب تر   دیکھ عبرت کی نظر سے سب کو تو اے دیدہ ور
خوابِ غفلت میں پڑا سوتا رہے گا تا کجا

۲۴۷

دل دُکھانا آدمی کا جانِ من اچھا نہیں
ہے زبانِ تلخ جس میں وہ دہن اچھا نہیں
ہو کپٹ سے جو بھرا دہ تن وہ من اچھا نہیں
فتنہ پردازی کا کوئی بھی چلن اچھا نہیں
داغِ عصیاں دھولے ورنہ روئے گا پچھتائیگا

لب پر اپنے آنے دے ہرگز نہ ناقص بات کو
جس طرح ممکن ہو کردے ترک مہمل گھات کو
جب نہ رہ جائے گا دن تو کیا کریگا رات کو
غیر کے نقصان سے گھاٹا ہے تیری ذات کو
تخم دیگا پھل وہی جیسا ہے اُس کا مادّا

کیوں سمجھتا ہے بڑا اپنے کو ہے بالکل حقیر
اپنے ہی حرص و ہوا کے دام میں تو ہے اسیر
عیب پر اپنے کیا کر نکتہ چینی اے بصیر
دوسروں کی روشنی سے اپنا روشن کر ضمیر
ورنہ بدتر خاک سے بھی ہوگی تیری کیمیا

دھوپ کا اور چھاؤں کا نقشا ہے گلزارِ جہاں
روز و شب گردوں دکھاتا رہتا ہے نیرنگیاں
آج اگر اس میں بہار آئی تو کل ہوگی خزاں
خارِ غم بکھرے ہوئے ہیں ہر طرف گلشن یہاں
"ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد" سچ ہے کہا

۴م

(۴۰)

قصیدہ

شری وِدّیا پیٹھ اور شری سرسوتی بھنڈار اٹاوہ کی مہامیں اسکے
اوّل مہوتسو کے مبارک موقع پر شری ۱۰۸ بابا کھٹکھٹا کی کُٹی کے مقابل
آراستہ منڈپ کے نیچے شری ۱۰۸ سوامی برھمہ ناتھ جی مہاراج کے
رو برو قریب چار ہزار معززین کے مجمع میں زیر صدارت شری ۱۰۸
سوامی گیانانند جی مہاراج بروز یک شنبہ بتاریخ ۳ مئی سنہ ۱۹۰۳ء
بوقت چھ بجے شام پڑھا گیا

طرزِ نو سے آج کیوں آئی چمن میں نو بہار — دیدۂ نرگس کو ہے مدّت سے کس کا انتظار
غنچۂ دل کِھل رہا ہے کس لیے بے اختیار — نغمۂ بلبل پہ گُل سو جان سے کیوں ہے نثار

گھاٹ جمنا کا اٹاوہ شہر میں مشہور ہے
سرسوتی بھنڈار کا اُتسو یہاں منظور ہے

اس مبارک تٹ پہ جمنا کی مبارک سرزمیں　　یادگارِ کرشن ہے متھرا سے جو کچھ کم نہیں
سامنے نظروں کے ہے جو اک کُٹی مثلِ نگیں　　جلوہ گر ہیں کھٹکھٹا بابا کے اُس میں جانشیں

دل شعاعِ پاکِ وحدت سے سراپا نور ہے
ہیں ملک اوصاف یہ ان سے مکاں معمور ہے

تھا خیال اِن کا زمانے سے ہو وِدّیا اُنتی　　دھرم کا پرچار جاری شاستر کی ہو وِدھی
ہے انھیں مدِّ نظر ہر وقت جگ کی بہتری　　اس خیالِ نیک نے ایسی بِنا تعمیر کی

اس کے ہر گوشے سے پیدا معرفت کا نور ہے
اس کتب خانے کو عالم دیکھ کر مسرور ہے

اس مکاں پہ ذکرِ حق کی حکمرانی ہے مدام　　اس مکاں میں سرسوتی کی مدح خوانی ہے مدام
اس مکاں کی گیانیوں سے پاسبانی ہے مدام　　اس مکاں کی ہم کو کرنی قدردانی ہے مدام

جوت ہے وِدّیا کی جو وہ شعلۂ پُر نور ہے
یہ مکاں جس کے اثر سے مثلِ کوہِ طور ہے

علم ہے وہ بحر جس کی تہ بتانی ہے محال　　　علم وہ دولت ہے جسکو ہو نہیں سکتا زوال
علم کی طاقت سے طاقت ہر کسی کی ہے نڈھال　　　آدمیت کے لیے ہے علم کا زیور کمال
قدر اس کی خود ہی ذاتِ پاک کو منظور ہے
دل چمک اُٹھتا ہے جس کے دَم سے یہ وہ نور ہے

علم کا گنجینہ ہے ہر ایک کے سینے میں بند　　　یہ بہت مقبول ہے یہ ہے نہایت دل پسند
ہیں اسی کی ذات سے دل اہلِ دل کے ارجمند　　　ہیں جو خوش اخلاق ہیں وہ علم ہی سے بہرہ مند
خود نمائی یا جہالت علم سے کافور ہے
شاخ وہ رہتی ہے جُھک کر پھل سے جو بھرپور ہے

بڑھ گیا نی کے لیے بِرِدّیا کا ہونا ہے ضرور　　　ڈھیل ہے خود اس میں تیری غیر کا ہے کیا قصور
زندگی کے بحر کا آساں نہیں کرنا عبور　　　عالموں نے جو کہا ہے سن اسے اے ذی شعور
کیوں خودی کے بادۂ رنگیں سے تو مخمور ہے
راہ بھی تیری کڑی ہے بوجھ سے بھی چُور ہے

کام ہے وِدوان کا ہر نیک و بد پہچاننا　　　جیسے جوہر کا کھرا پن جوہری کو جاننا
علم ہے کانِ جواہر بات میری ماننا　　　سیکھ لینے کا طریقہ اپنے دل میں ٹھاننا

کام ہمّت سے جو ہو کب کامیابی دُور ہے
رنج کے ہے بعد راحت قول یہ مشہور ہے

پُستکوں کو ڈھونڈ کر لانا اب اپنا کام ہے　　　ہے مبارک یہ عمل یہ سعیِ خوش انجام ہے
جو عمل کرتا نہیں پختہ نہیں وہ خام ہے　　　علم ہے اک پھول پھل اُس پر عمل کا نام ہے

علم سے جو بے خبر ہے سربسر مقہور ہے
بلکہ یوں سمجھو کہ وہ مغموم ہے رنجور ہے

صاجو! اب علم کا پرچار دل میں ٹھان لو　　　ہے اسی میں دولتِ ہستی تمھاری مان لو
سرسوتی دیوی کو تم اچھی طرح پہچان لو　　　جلوۂ حق کے مناظر ہیں اسی میں جان لو

اس کو سیکھو با شرف ہونا اگر منظور ہے
اس سے خالی ہے جو دل ثابت نہیں ہے چور ہے

حسرتِ گلشن ہے ابرِ علم گوہر بار ہو　　　جس سے تازہ سرسوتی بھنڈار کا گلزار ہو

وِدّیا ہی وِدّیا کا ہر طرف پرچار ہو　　　سرسوتی بھنڈار کے اُنسو کا جے جے کار ہو

مانگ اُس کو آج جو تجھکو بدل منظور ہے

قادرِ مطلق ہے ایشور اُسکو سب مقدور ہے

(۴۱)

قصیدہ در مدح

شری ۱۰۸ سوامی برہمناتھ سدھ آشرم
جی مہاراج چیلہ شری ۱۰۸ بابا کھٹکھٹا جی - اٹاوہ

۱۹۰۴ء

شہا روحانیت کے مُلک میں تو داد گستر ہو
فلک ہو تیری مسند مہرِ تاباں تاج پُر زر ہو
شُعاعِ جامۂ پُر نور رشکِ شاہِ خاور ہو
زرہ ادراکِ ربّانی کا تیرے تن پہ زیور ہو
ہمیشہ سایۂ لطفِ الٰہی تیرے سر پر ہو
پئے رشد و ہدایت رات دن تیرا کھلا در ہو

کرودھ اور کام موہ اور لوبھ جان و دل سے ہوں قرباں
درِ دولت کی تیرے شانتی آکر بنے درباں

عناصر اور روحیں ہوں ہمیشہ تابعِ فرماں
زمین و آسماں ہوں جلوۂ تقدیس پر نازاں

تسلط تیرے بذل و لطف کا ہر ایک دل پر ہو
تیرا فیضِ کرم سارے زمانے پر برابر ہو

جسے ہو عالم و عامل کی خواہش وہ تجھے دیکھے
برج موہن کی لیلا ہے جہاں تک کام میں تیرے

تعلق برہمہ کا ثابت ہے نام پاک میں تجھسے
رضا تیری رضائے حق ہے کر گذرے جو تو چاہے

ترے زیرِ نظر نہرِ چمن ہو حوضِ کوثر ہو
ہمیشہ وِدّیا کا تیرے گلشن تازہ و تر ہو

ترے ہے قلب میں دائم خیالِ خوبیِ عالم
جسے دیکھا نظر بھر کر قریب اُس کے نہ آیا غم
تیرے خُلقِ مُروّت کے ہیں سب نغمہ سرا ہر دم
جہاں میں فیض بخشی سے نہ شیون ہے نہ ہے ماتم
نہ کیوں خورشید سے بڑھ کر تیرے استھان کا درجہ ہو
مبارک ہے وہ سر جو ہر گھڑی ہر وقت اس پہ ہو
کیا تُو نے عیاں جو کچھ نہاں تھا اپنی قوت سے
نمایاں کر دکھایا سرسوتی بھنڈار قدرت سے
ہُوا لوگوں کی خاطر کس قدر اُپکار ہمّت سے
نہ سمجھے گا وہ جو مجبور ہو گا اپنی قسمت سے
مبارک وہ بشر ہے خضر کا سا جس کا رہبر ہو
مگر قسمت میں جب امرت نہ ہو کیونکر میسّر ہو

تری ہمت تری طاقت تری شانِ جوانمردی
ہر اک موقع پہ پایا تجھکو ہم نے سب سے ویسا ہی
اُٹھائی دوسروں کے واسطے خود جان پر سختی
جو آیا در پہ حاجت مند اُس کی آس پوری کی
جہاں میں دوسرا کوئی نہ جب تجھ سے سخی تر ہو
کس و ناکس کا میلا کیوں نہ ہر دم تیرے در پر ہو
مریض و مفلس و بےکس جو آتے ہیں ترے در پر
مُرادیں اپنی پا جاتے ہیں گھر جاتے ہیں خوش ہو کر
نگہ تیری سیہ کاروں کو دم میں کرتی ہے اطہر
جو چاٹے خاکِ پا تیری فلک پر پہونچے اُس کا سر
کہ ظلِّ رحمتِ حق تُو ہے کیوں تجھ میں نہ جوہر ہو
زمانہ کس لیے شیدا نہ دل سے بندہ پرور ہو

ضرورت کو کبھی تو نے کسی کی بھی نہ ٹھکرایا
بُرے وقتوں میں لوگوں کے ہمیشہ کام تو آیا
کیا جس نے تصوّر تیرا تو نے اُس کو بُلوایا
سُنی بات اُس کی پوری آرزو کی اور سمجھایا
جو ہے مشکل کُشا احسان تیرا کیوں نہ ہم پر ہو
جُھکی گردن ہماری دیکھ اگر تجھکو نہ باور ہو

بظاہر شانِ شاہانہ تری سب سے نرالی ہے
بہ باطن محو پر مانند حُسنِ لازوالی ہے
تری سیرت جمالی ہے تری صورت جلالی ہے
نگہ میں بات میں تیری بھری صاحب کمالی ہے
بھلا کیونکر ترا خادم نہ دشمن پر مظفّر ہو
ترے سائل کا دامانِ تمنّا کیوں نہ پُر زر ہو

گلستانِ حقیقت میں تجھے پھولا پھلا رکھے
جہاں کے سر پہ سایہ دامنِ اشفاق کا رکھے
تیرے دل کو ہمیشہ بامراد و مدّعا رکھے
دُعا ہے خوش تجھے رکھے یونہیں پرماتما رکھے

جہاں میں بحرِ وحدت کا دُرِ نایاب و خوش تر ہو
ہمیشہ علم کے میدان کا تو یکتا دلاور ہو
قلم کو قوتِ تحریر سے جب تک رہے زینت
زباں کو راست گوئی سے ہے جب تک دہر میں عزت
جسد کو روح سے جس وقت تک ہے نسبت والفت
نظر کو جلوۂ دیدار سے جب تک ملے راحت
ترا دیدار دائم برہمہ ناتھ اپنا مقدّر ہو
زباں مدّاح ہو تیری قلم تیرا ثنا گر ہو

قصیدہ پیش کرنے کی ضرورت کچھ نہیں گلشن
جُھکا چرنوں پہ ماتھا چل کے کر لے آنکھ سے درشن

دِل تاریک ہو جائے گا تیرا چاند سا روشن
سُپھل سب کامناؤں کے یہاں بندھ جائینگے جوشن

یہ گھر وہ گھر نہیں جس پر کسی انسان کو ڈر ہو
مگر پھر بھی وہی آتا ہے جس کا بخت یاور ہو

(۴۲)

فرمودۂ جگت گورو

شری ۱۰۸ سوامی برہمہ ناتھ سِدھ آشرم جی مہاراج

[استھاپنہ] اٹاوہ (یو۔پی) سمت ۱۹۸۲ بکرمی / ۱۹۲۵ء

سدگورو اُپدیش

"اگر کچھ دیکھنا چاہتا ہے۔ ہو نیچا" "دیکھ اوپر۔ کچھ دیکھے گا"
"ہو اوپر۔ نیچے دیکھے گا۔ ضرور نیچا دیکھے گا"

نظم

"ہے دیکھنا چاہتا اگر کچھ" تو بس "ہو نیچا" یہی روا ہے
تو "دیکھ اوپر" تو "دیکھے گا کچھ" سمجھ لے اس کا جو مُدّعا ہے
تو "ہو" کے "اوپر" جو "نیچے دیکھے گا" "دیکھے گا" تو "ضرور نیچا"
یہ ایک اُپدیش برہمہ آشرم نے سب کو گُلشنؔ عطا کیا ہے

(۴۴)

ملکہ معظمہ قیصر ہند خلد آشیاں

قطعۂ تاریخِ وفات

در زبانِ فارسی

اے گلشنِ ہندوستاں آمد چہ آفت ناگہاں
در عہدِ گُل بادِ خزاں در عیش رنج بے کراں
برگ و شجر در ابتلا طاؤس و مرغاں در عزا
در گریہ عالم مُبتلا تاریک شد چشمِ جہاں
از دستِ چرخِ فتنہ گر شُد خاک بر سرِ بحر و بر
در غم دریدہ دل بشر با شدّتِ آہ و فغاں
لالہ زخود نشناختہ از رنج و غم جاں باختہ
داغے بدل برداشتہ برخاست مثلِ نوحہ خواں

آں نازشِ ہندوستاں شاہنشہِ انگلستاں
نامش منوّر در جہاں روشن زحسنِ او زماں

در عہدِ او در ہر قدم افراشتہ راحت علَم
ہر سو ترقّی دم بدم شد زندگانی راضیاں

شد محو از دُنیا دغل رفت از جہاں جنگ وجدل
بُد دوستاں را کام دل غم شد نصیبِ دشمناں

او بود ذاتِ باصفا۔ عالی گہر۔ صاحب ذکا
او داشت طبعِ پُر سخا۔ دستِ کرم بختِ جواں

از یادِ حق بُد باخبر می داشت حکمش در نظر
ہر چند دولت بیشتر ہر چند ثروت بیکراں

او بود مامِ مہرباں ماپیش او چوں طفلکاں
احسانِ او بر ما چناں از ذکر آں قاصر زباں

او بود بیشک نیک خو ہنگامِ حرف و گفتگو
با ایں قدر اوصافِ او شد بہرِ او قائم نشاں

سن یک ہزار و نہ صد و یک جنوری مہ بست و دو

بُد یوم سہ شنبہ کہ او سوے عدم شد رہرواں

ہر چند بر روے زمیں او بود یک دُرِّ ثمیں

اے واے چرخِ پُر زکیں کردش ز چشمِ ما نہاں

آوخ ز دستت اے فلک قہر از تو آید یک بیک

در زخمِ دل کردی نمک مخلوق تنگ آمد ز جاں

چوں شیشۂ دل شد بہ سنگ آمد بہ تن جاں سخت تنگ

پس صبر کردم بے درنگ ایں خود کند ہر ناتواں

گُلشن دریں دورِ محن، سوگ از دلش راند سخن

بد قیصرہ رشکِ چمن رفت از جہاں سوے جناں

سمت ۱۹۵۷

(۴۴)

قطعۂ تاریخِ وفات

در زبانِ اُردو

خزاں آگئی کیوں چمن میں یکایک صدی بیسویں حشر اُٹھا یہ کیسا ؟
گھٹا غرب سے شرق تک آج چھائی ؟ گری دل پہ بجلی ! ہوا کیوں اندھیرا !
بپا کیوں نہ ہو جائے عالم میں ماتم خبر یہ قیامت سے ہرگز نہیں کم
کہ سہ شنبہ مہ جنوری بست و دو کو کیا امپرس نے جہاں سے کنارا
فلک سے زمیں تک ہے اک شور برپا جسے دیکھو ہے غم کی صورت سراپا
ہے چھائی ہر اک سو جہاں میں اُداسی بڑی آفت آئی ! بڑا قہر ٹوٹا !
کسی کی خوشی سے نہیں واسطہ کچھ تجھے اے فلک خوب ہم جانتے ہیں
کہ بے درد و بے رحم ہے تو ستمگر ! ہے شیوہ ترا ظلم و جور و جفا کا !

نہ دیکھی گئی تجھسے ملکی ترقی نظر لگ گئی تیری اے دشمنِ جاں
جلائے تجھے آہِ مظلوم ظالم لگے تجھکو بھی تیر حکمِ قضا کا
عجب گلشنِ ہند پر تازگی تھی نشاط و مسرت سے تھا کام سب کو
خدا سے یہی رات دن اب دعا ہے رہے دورِ ایڈورڈ ہفتم بھی ایسا
یہ تاریخ غم اُس نے ہجری میں کہہ دی کہا اور کیا گلشنِ دل شکستہ
گئی عالمِ جاوداں کو وہ ملکہ تھا اب عالمِ فانی میں جس کا ڈنکا

سنہ ۱۳۱۸ ہجری

(۴۵)

مرثیہ

دھرم رتن لالہ درگا پرشاد صاحب زمیندار اور رئیس

جسونت نگر ضلع اٹاوہ

خبر ہو یا الٰہی بات ہے کیا — کانپتا ہے کلیجا کیوں تھر تھر
کیسے آئی بہار میں یہ خزاں — کس کے غم میں ہے داغ داغ جگر
روزِ سہ شنبہ بست و پنج اپریل — کس کا ماتم یہ آج ہے گھر گھر
کس کے جوہر بیان ہوتے ہیں — کھو گیا کونسا خوش آب گہر
درگا پرشاد لالہ دھرم رتن — کر گئے دہر سے وہ آج سفر
وہ زمیندار تھے رئیس بڑے — اُن سے آباد تھا جسونت نگر
تھی اٹاوے کی آبرو ان سے — خوبصورت تھے اور نیک سیر
بڑے ہر دل عزیز اور سخی — بارسوخ اور رعب دار نڈر
تھے خردمند باخبر با علم — زیب دیتا تھا ہر کمال اُن پہ

بول میٹھا تھا ہنستی پیشانی ‏ ‏ ‏ صاف دل باوقار حوصلہ ور
دشمنوں سے بھی تھا سلوک اچھا ‏ ‏ ‏ دوست سے دوستی ہیں کی نہ کسر
متحمل تھے کچھ غرور نہ تھا ‏ ‏ ‏ تھا نہ غصّے کا نام کو بھی اثر
اتنی ثروت پہ جھک کے چلتے تھے ‏ ‏ ‏ لوگ اُڑتے ہیں آجکل بے پر
تھے سناتن دھرم وہ مذہب میں ‏ ‏ ‏ اُس کے شیدائی اور رکھشے ممبر
سر سے پا تک خلیق و نیک مزاج ‏ ‏ ‏ کھا گئی اُن کو ہائے کس کی نظر
تھی تعصّب سے ذات اُنکی بَری ‏ ‏ ‏ نام کو تھے بشر مگر بے شر
دو برس جھیلی سخت بیماری ‏ ‏ ‏ اس کو قسمت کا کہتے ہیں چکّر
ضبط تھا اس کمال کا حاصل ‏ ‏ ‏ جان دے دی نکالی اُف نہ مگر
مثل پانی کے زر بہا۔ لیکن ‏ ‏ ‏ مرنے والا ہوا ہے کب جانبر
رہ گئے سب مسوس کر دل کو ‏ ‏ ‏ تھے جو دن رات اُن کے دستِ نگر
انتہا غم کے واسطے بھی تو ہے ‏ ‏ ‏ سب نے سینے پہ دھر لیا پتھّر
سورگ میں دے انھیں جگہ بکرم ‏ ‏ ‏ ہے یہ احباب کی دعا ایشور
نام لیں اُن کا سب بھلائی سے ‏ ‏ ‏ خضر کی عمر پائیں دونوں پسر

باخُدا - باادب ہوں بااخلاق
خوبیاں باپ سے بھی ہوں بڑھکر

خدمتِ خلق سے غرض رکھیں
رہے ہر دم نگاہ نیکی پر

اب کرو ختم مرثیہ گلشنؔ
طول سے اختصار ہے بہتر

یہ جو فانی جہان ہے۔ اس میں
رنج و غم کے ہیں سیکڑوں منظر

چمنِ دہر میں کہاں وہ گُل
خشک و پژمردہ جو نہ ہو کھل کر

آخری پھول نذر کرتا ہوں
اور کیا چیز اس سے ہے بہتر

فکرِ تاریخ میں ندا آئی
ڈوبا افسوس تھا جو نیک اختر

۱۹۱۶ء

(۴۶)

فرخندہ پیام و قطعہ تاریخ

بیادگار آمدن کنور آنند کمار بی۔اے (کنٹب) بیرسٹر ایٹ لا

فرزند ارجمند دیوان بہادر راجہ نرانندر ناتھ صاحب رئیس اعظم لاہور

از لندن بوطن

آج کیوں اترا رہی ہے یوں عروسِ نو بہار — منتظر تھی کون سے گلرو کی آمد کی ہزار
ہوں گی پُر زر تھیلیاں غنچوں کی کس گُل پہ نثار — کھِل رہی ہیں دل کی کلیاں کس لیے بے اختیار

کیوں سجا ہے آج "فرفیلڈز" مثلِ فنتری
آ گئے لندن سے ہیں پیارے کنور آنند جی

آج ہے اُنیس سو اُنیس سالِ عیسوی — دن ہے بُدھ کا اور ہے چھبیس ماہِ فروری
آئے لندن سے وطن میں ہیں کنور آنند جی — ہو مبارک دوستوں کے دل کو احساسِ خوشی

سُن کے آئے ہیں مبارکباد دینے خاص و عام
ہم بھی آئے ہیں دعا کے ساتھ لے کر یہ پیام

قوم کا ہو درد دل میں ذوق الفت عام ہو   پاک اندیشی ہو باصدق وصفا ہر کام ہو
دوست بن جائے عدو بھی دوست کو آرام ہو   زندگی ایسی بسر ہو نیک جس سے نام ہو

وقت کی طاقت کی دولت کی بڑھے توفیر خوب
دُور راہِ بد رہے نزدیک صحبت بے عیوب

خوبیوں میں اس طرح ممتاز بے وسواس ہے   گُل کے اندر جس طرح پوشیدہ اُسکی باس ہے
دوسروں کو جو نہیں حاصل وہ اُسکے پاس ہے   سب کا آقا ہے برہمن اور سب کا داس ہے

چاہیے صدق وصفا سے پیش آئیں سب کے ساتھ
دھرم کرم اور عزم سے ہرگز نہ اُٹھنے پائیں ہاتھ

ہر کسی سے ہے یہی میری ہمیشہ التجا   راہ ایماں سے جُدا ہونا نہایت ہے خطا
جو فرائض ہیں وہ سب ہوتے رہیں دل سے ادا   پھنس کے دُنیا میں نہ بھولو دین کو صبح ومسا

زندگی کا مقصدِ اعلےٰ رہے پیشِ نظر
پرورِش پائے نہ دل میں خواہشِ ایذا و شر

۲۷۱

علم کا تحصیل کرنا ہے نہایت نیک فال　　یہ وہ دولت ہے نہیں ہوتا کبھی جس کو زوال

صاف دل ہوتا ہے انسان اور پاکیزہ خیال　　نفع میں اسکے خسارے کا نہیں کچھ احتمال

خوب یہ گلشن پھلے پھولے، ہے گلشن کی دعا

عمر و صحت و دولت و اقبال ہو حق سے عطا

۹/۱۸

(۴۷)

قطعہ تاریخ

سوچتے ہم تھے کہ کب آئیں گے لندن سے وطن
کون دن ہو گا کہ آنند کے ہوں گے دیدار

جنگ نے رنگ زمانے کا کیا ہے ایسا
ہوش پرّاں ہیں زباں بند ہے عاجز گفتار

یہی سُنتے تھے کہ آنے میں ابھی ہے کچھ دیر
آئیں گے جیتے گی جس وقت لڑائی سرکار

آج وہ روز مبارک ہوا آخر کو نصیب
جس کی کرتا تھا دعائیں دلِ بے صبر و قرار

ہے خوشی یہ کہ ولایت کی ہوا سے ہیں بچے
ہر بُری بات سے ہے ان کی طبیعت بیزار

کیا عجب ہے کہ کنور جی کے بھی دل میں آجائے
پھینک دیں ہیٹ کو اور باندھ لیں سر پہ دستار

ہند میں آ گئے لندن سے وہ پھر کر جس دم
فروری ماہ کی چھبیس تھی دن تھا بُدھوار
شوق کے ساتھ لکھا آنے کا گلشنؔ نے یہ سن
دل شگفتہ ہوئے آئے کنور آنند کمار
۱۹۱۹ء

ہر بلا سے رہیں محفوظ دعا ہے یہ بھی
خوش رہیں اور سلامت رہیں تا روزِ شمار

۹

(۴۸)

قطعہ تاریخ

بروفات حسرت آیات پنڈت منیشور ناتھ مشران راج وید المعروف بہ شری آنند آشرم

شری ودیا پیٹھ اٹاوہ

منیشور ناتھ مرنے کا ترے تار
اچانک کیا ملا - دل پر لگا تیر
جُدا ہو کر تیرے ماں باپ تجھسے
پریشاں حال ہیں - ہمشیرہ دل گیر
تبہ بی بی ہوئی - تقدیر پھوٹی
دلِ احباب سے جاتا رہا دھیر
ترس آیا نہ اُس کو ماہ رو پر
ملا دی خاک میں گردوں نے تنویر

دوائیں یا دعائیں سب تھیں بیکار

ہوئی تقدیر پر حاوی نہ تدبیر

جہاں میں اعتبارِ زندگی کیا

حباب آسا ہے یہ کمزور تعمیر

تھی پہلی فروری منگل کا تھا دن

ملی جمنا میں جب مٹّی کی تصویر

بہ ہنگامِ وداعِ روح از تن

نہ تھا موجود گلشن وائے تقدیر

یہ لکھا سالِ رحلت آہ بھر کر

بڑھی ہر دو جہاں میں خوب توقیر

سنہ ۱۹۲۱ء

(۴۹)

قطعہ تاریخ

بر تولد شدن پسر نجانہ باوا بیجناتھ صاحب

رئیس لاہور

بشر ہی کیا وہ پسر سے جو بے نصیب رہے
بلا نگیں کے سجاوٹ ہو تاج کی کبھو نگر

خزاں گذر گئی آئی بہار پھول کھلا
صدف کے بطن سے نکلا ہے آبدار گہر

تھا روز بدھ کا ستمبر کی ساتویں تاریخ
ہزار و نُہ صد و بست و یکم سنہ خوشتر

خدا نے پھیر دیے باوا بیجناتھ کے دن
چراغِ خانہ سے روشن ہوا ہے اُن کا گھر

ہے پیارا نام ترا کس قدر برج موہن
ہے شکل خوش تری سیرت بھی اس سے ہو بڑھ کر

رہے ہمیشہ بلاؤں سے دہر کی محفوظ
کہ با مُراد ہو تقدیر تیسری ہو یاور

شگفتہ غنچۂ دل دوست کا مُدام رہے
ہمیشہ خاک ہو دشمن حسد سے جل جل کر

جو فکر سال تھی گلشن کو تو ندا آئی
لکھو دیا ہے خدا نے جسے بھی لختِ جگر

سمت ۱۹۷۸ بکرمی

(۵۰)

قطعہ تاریخ

بتقریب شادی خانہ آبادی لالہ کیشو داس صاحب عاقلؔ

خلف دیوان بہادر دیوان کرشن کشور صاحب داڑھی والا

رئیس اعظم لاہور

دل میں غم و الم کا باقی نہیں ہے پہلو ۔۔۔ ایسا خوشی سے سب کو آنند ہو گیا ہے

ہیں کیشو داس عاقلؔ کیوں بلغ باغ جی میں ۔۔۔ ہے روزِ عقد ان کا عقدہ یہ اب کھلا ہے

جوڑا بنا بنی کا موزوں نہ کس طرح ہو ۔۔۔ وہ آبدار گوہر یہ لعلِ بے بہا ہے

اک جان اور دو قالب مل کر ہیں گے دونوں ۔۔۔ طے کر دیا دوئی کا شادی نے مرحلہ ہے

شمس و قمر سے چمکو تم کیشو داس دونوں

قلبِ صفا سے یہ سن گلشنؔ نے لکھ دیا ہے

۱۹۲۲ء

(۵۱)

سپ شعم و یک نعمت و یک منت و یک شکر — صد شکر کہ تقدیر چنیں راندہ قلم را

آخری پھول

کشمیری پنڈت بابا کھٹکھٹا کے جانشین چیلے

شری ودّیا پیٹھ اٹاوہ کی روح رواں ۔ عالم باعمل
رازدارِ اسرارِ دو عالم ۔ شری ۱۰۸ سوامی برہمہ ناتھ سدھ آشرم جی
مہاراج نے دوشنبہ ۴ مئی ۱۹۲۵ء کو اس جہانِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف منہ موڑا
اور اوِدّیا کے بحرِ ناپیدا کنار میں ودّیا کے بیڑے کو اپنے سیوکوں
کے سمیت منجھدار کے اندر بغیر کسی ناخدا کے اننچانا چھوڑا۔

اوم شانتی ! اوم شانتی !! اوم شانتی !!!

قطعۂ تاریخ

سُوریہ تھے وِدّیا کے اور وہ دھرم کے اوتار تھے
کوئی کچھ سمجھا نہیں غفلت کا تھا پردا پڑا
چندروار ابکا دشی بیساکھ شُکلا کی تھی ۔ آہ !
چلدیے برہمہ آشرم جگ ہاتھ ملتا رہ گیا

بحروف ابجد سمت ۱۹۸۲ بکرمی

ہم از خشت سرشت من خاکِ درت بہشت من ۲ عشقِ تو سرنوشت من راحتِ من رضائے تو

(۵۲)

قطعۂ تاریخ

بر وفات حسرت آیات پنڈت برج نراین چکبست (لکھنوی)

حقیقت کھل گئی دنیا کی گلشن آج ہر دل پر
نظر آتا ہے جو کچھ ہے فقط اک وہم بیداری
بریلی کے تھے اسٹیشن پہ چکبست اس سے کچھ پہلے
تھی واپس لکھنؤ جانے کی پوری اُن کی تیاری
کہ قزاقِ اجل نے آکے لوٹا اُس مسافر کو
ہوئی فالج کے سر دم قبض کرنے کی گنہگاری
تھی بارہ فروری اُنیس[۶] سو[۲] چھبیسواں[۹] سن تھا
کہ ٹوٹا کوہ غم یک لخت مُلک و قوم پہ بھاری

بہائے آٹھ آٹھ آنسو جواں کی لاش پر سب نے
جب آئی یاد ان کو اُس کی دلداری و غمخواری
وکالت پیشہ تھا اور ماہرِ فنِّ سخن بھی تھے
رہا کرتی تھی اُن کو بادۂ معنی سے سرشاری
گئے دُنیا سے اسے چک بست تم کیا ہم تو کہتے ہیں
گئی صحبت سخن کی آہ! رونق بزم کی ساری

سمت ۱۹۸۲ بکرمی

۷

(۵۴)

در تہنیت جشنِ صحتیابی

رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو، پی۔ سی، کے۔ سی۔ ایس۔ آئی

۱۱ر دسمبر ۱۹۴۰ء

سر ٹی۔ بی۔ سپرو، پی۔ سی کا ۔۔۔ ہے جشن مبارکبادی کا
ارمان ہوا پورا جی کا ۔۔۔ مقصود یہی تھا ہستی کا

ہر چہرے پر شادابی ہے ۔۔۔ کچھ سُرخی کچھ عُنّابی ہے
تاثیرِ صحتیابی ہے ۔۔۔ مفقود وہ اب بیتابی ہے

دل ان کا بحرِ محبّت ہے ۔۔۔ ضرب المثل ان کی سخاوت ہے
ہر شخص کو ان سے رغبت ہے ۔۔۔ ہر دل کو ان سے اُلفت ہے

انداز ہے دلکش نیک چلن ۔۔۔ لبریزِ محبت حرف و سخن
ہر داغ سے خالی ہے دامن ۔۔۔ دل شاد ہیں سارے اہلِ وطن

قابل بھی ہیں فاضل بھی ہیں　　دانا بھی ہیں عاقل بھی ہیں
افضل بھی ہیں کامل بھی ہیں　　عالم بھی ہیں عامل بھی ہیں

ہر عقدے کو سلجھاتے ہیں　　ہر مشکل میں کام آتے ہیں
ہر بگڑی بات بناتے ہیں　　ہر نیک و بد سمجھاتے ہیں

مشہورِ جہاں تقریر ان کی　　جامع حاوی تحریر ان کی
موزوں صائب تدبیر ان کی　　ارفع اعلٰے تقدیر ان کی

ہمدرد ہیں یہ دم ساز ہیں یہ　　دکھیوں کی خوشی کے راز ہیں یہ
ایک ایک جگہ ممتاز ہیں یہ　　کچھ شک نہیں مایۂ ناز ہیں یہ

ہیں بے حد یہ جرأت والے　　بے خوف و خطر ہمت والے
شوکت والے حشمت والے　　سیرت والے صورت والے

اُردو کے ماہر نامی ہیں　　ارباب سخن کے حامی ہیں
دلدادۂ سعدی و جامی ہیں　　تصویر خوش انجامی ہیں

ہر محفل کے سُلطان ہیں یہ　　ہر بزمِ عمل کی شان ہیں یہ
ہر دل کے لیے ارمان ہیں یہ　　ہر جسم کے حق میں جان ہیں یہ

راحت کے ترانے گائیں ہم　　صحت کا جام لُنڈھائیں ہم
گُلشن کی ہوائیں کھائیں ہم　　دیں دل سے ان کو دُعائیں ہم

یارب یہ ہمیشہ شاد رہیں
خوش حال رہیں آباد رہیں
دُنیا میں کرم ایجاد رہیں
اربابِ وطن کو یاد رہیں

(۵۴)

قطعہ تاریخ

در تہنیت جوبلی نمبر بہار کشمیر بیادگار جشن گولڈن جوبلی کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور

شنبہ ۲۸ر دسمبر ۱۹۴۰ء

عجب پُر نور ہے جوبلی کا نمبر — بہارِ جلوۂ کشمیر دیکھو
عیاں ہے دلفریبی دیدہ زیبی — طلسم آرائیِ تحریر دیکھو
یہ گلدستہ ہے اک قومی رسالہ — یہ ہے آئینۂ تنویر دیکھو
یہ اخلاق و ادب کا آئنہ ہے — عیاں ہے دین کی توقیر دیکھو
عجب پُر لطف ہیں اس میں مضامیں — ہماری کوشش و تدبیر دیکھو
عیاں جلوے ہیں حسن و عشق کے کیا — نہاں تدبیر میں تقدیر دیکھو
یہ گولڈن جوبلی کا آئنہ ہے — یہ ہے سرمایۂ جاگیر دیکھو

لکھو تاریخ گلشن از سرِ ہوش
بہارِ باغ کی تصویر دیکھو

سمت ۱۹۹۷ بکرمی

۸

(۵۵)

قطعہ تاریخ

در تہنیت اعزاز آنریبل سر اقبال احمد نائٹ

چیف جسٹس ہائیکورٹ الہ آباد

مُبارک سر اقبال احمد مُبارک — تمھیں چیف جسٹس کا عہدہ ملا ہے
ہے نائٹ کا ساتھ اسکے معقول منصب — یہ اعزاز قندِ مکرر ہوا ہے
یہ ہر دل عزیزی ہو مسعود تم کو — دل وجاں سے ہر ایک تم پر فدا ہے
سمجھتے ہو تم زندگی کے فرائض — تمھارا عمل لطف وجود وسخا ہے
ہُنر مند و ذی ہوش وعادل بھی تم ہو — جو تو تنیر داں تم کو کہیے بجا ہے
تم اقبال والے ہو اقبال احمد — کہ اقبال خود نام میں مل گیا ہے
ہمیشہ خُدا تم کو دل شاد رکھے — کہ تم ہو ہمارے تمھارا خدا ہے

دلِ مست سے سال گلشن نے لکھا
گُلستانِ معنی کا غُنچہ کِھلا ہے

۱۸۸۱ + ۶۰ = ۱۹۴۱ء

(۵۶)

سہرا

بتقریبِ شادی خانہ آبادی عزیزی کشن پرشاد سلمہٗ فرزندِ ارجمند دیوان بہادر پنڈت دھرم نراین کاک سی۔آئی۔ای ڈپٹی چیف منسٹر جودھپور باعزیزہ روپ کماری سلمہا دخترِ نیک اختر پنڈت پیارے کشن واتل سی۔آئی۔ای اکاؤنٹنٹ جنرل لاہور (پنجاب)

مقام و تاریخ تقریبِ سعید ماڈل ٹاؤن (لاہور) پنجشنبہ ۲۵ جنوری ۱۹۴۵ء

فضائے گلشنِ شادی بہارِ صد چمن سہرا
فراوانی سے پھولوں کی چمن اندر چمن سہرا

مبارک ہو مبارک بیاہ کا تجھکو کشن سہرا
خوشی میں گا رہی ہے انجمن کی انجمن سہرا

جمالِ روئے تاباں سے بہت ہے ضو فگن سہرا
ہے کتنا خوش ادا اس روئے روشن پر کشن سہرا

زہے قسمت کہ پائی ہے جگہ بالائے سر اس نے
چمی ناز دیدیں جلوہ بہ اوج خویشتن سہرا

ہو گرد ماہ جلوہ جس طرح خوش رنگ ہالے کا
اسی صورت سے ہے نوشہ کے رخ پر حلقہ زن سہرا

خطا اس میں نہیں کچھ بھی اگر کہئے کہ خوشبو میں
ہے رشکِ اعتبارِ نکہتِ مشکِ ختن سہرا

بیاضِ جلوۂ نوشہ ہے مطلع صبحِ روشن کا
ہیں مہر و ماہ عارض عکسِ عارض کی کرن سہرا

بنا ہے دیدۂ بدرو و رفیضِ قربِ نوشہ سے
بہارِ باغِ دل زینت طرازِ انجمن سہرا

رُخِ گلگونِ نوشہ کے قریب ہونے کی خواہش میں
بنے ہیں چھوڑ کر گُلزار گُلہائے چمن سہرا

ہر اک جنبش میں اس کی کیف و سرشاری و مستی ہے
ہے کتنا دل فریب و جاں نواز و سحر فن سہرا

مبارک یہ وجاہت، یہ صباحت تجھکو اے نوشہ
ترے سر دیکھ کر ہیں شاد شیخ و برہمن سہرا

ہے اک تصویرِ حُسنِ دلفریبی روپ کماری
زبانِ گُل سے مدحت میں ہے جس کی نغمہ زن سہرا

رہے سایہ بزرگوں کا ہمیشہ دونوں کے سر پہ
تمھارے واسطے تمہیدِ عشرت ہو کشن سہرا

رفیق اک دوسرے کے ہوں زن و شوہر بہ خوشحالی
رہے ہو کر ہمیشہ دشمنِ رنج و محن سہرا

رہیں پھولے پھلے با اِمتدادِ زندگی دونوں
کرے گُلشن مبارک ان کو ربِّ ذُو المَنَن سہرا

(۵۷)

خطاب بہ کشمیری پنڈتان

ایک منظوم لکچر

مع

دیباچہ

یہ ترکیب بند

کشمیری پنڈت ایسوسی ایشن لاہور کے اٹھائیسویں [۲۸]

سالانہ اجلاس میں ۲۵ ر دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء کو زیر صدارت جناب پنڈت پردمن کشن صاحب

عرف کچلو پڑھا گیا اُس وقت جناب دیوان بہادر راجہ

نرائندر ناتھ صاحب بھی تشریف فرما تھے

۱۰۴۳

سوز و ساز

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے
اُٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ سخن
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے

ہر شخص جو اُس کے من کو بھاتا ہے کھاتا ہے۔ جیسی غذا کھاتا ہے ویسا ہی خون بنتا ہے اور اُس سے تخم۔ ویسے ہی اُس کے خیالات ہوتے ہیں اور اُن کا اُس کے ہم صحبتوں پر اثر۔ جیسے خیالات ہوتے ہیں ویسا ہی وہ ہو جاتا ہے اور ویسے ہی قول و فعل بھی اُس سے ظہور میں آتے ہیں۔ چونکہ انسان محدود۔ اُس کا علم محدود اور اُس کی قوتیں محدود ہیں اس لیے کمال کہاں! سہو و خطا کا

اُس سے سرزد ہونا کیا تعجب! پس اِس کم بضاعتی اور کم مایگی کی حالت میں دل و دماغ کے لطیف طبقات کی شکلوں کو مادّی طبقہ پر لانے کے لیے الفاظ کا صحیح جامہ پہنا کر پیش کرنا آدمی کے واسطے ایک کارِ اہم ہے!

احباب کی پے درپے تاکید سے قومی خدمت کا ایک فرض سمجھکر مجھے فلاحِ قوم کے بارے میں اپنی ناقص رائے ظاہر کرنے کی جرأت ہوئی۔ ظاہر ہے میں بھی اپنی ہی سی کہوں گا اور ممکن ہے کہ اپنے خیالات کو الفاظ میں پورے طور سے ادا نہ کرسکوں اور عیب جو کو نکتہ چینی کا موقع ہاتھ آئے۔ چونکہ اپنی اپنی نظر اور نگہ کا فرق جُدا جُدا ہوا کرتا ہے اس لیے عیب جو تو قابلِ رحم ہے اور دوسرا بے خطر! ؎

نظر نے دیکھا تو اور دیکھا نگہ نے کچھ اور ہی دکھایا

مَیں نہ ناظم ہوں نہ ناثر تو بھی اس اُمّید پر کہ اظہارِ خیالات میں کچھ کامیابی حاصل ہو اپنے شکستہ الفاظ کو موثر بنانے کی غرض سے میں نے اپنی تحریر و تقریر میں نظم و نثر کا مِلا جُلا پیرایہ اختیار کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ ؎

منظور ہے گذارشِ احوالِ واقعی　　اپنا بیانِ حُسنِ طبیعت نہیں مجھے
آزادہ رَو ہوں اور مرا مسلک ہے صلحِ کُل　　ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

اگرچہ میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ قومِ کشمیری پنڈتان کے ایک بحرِ زخّار میں جس میں طرح طرح کے خیالات کا ایک عظیم تلاطم ہے یہ "خطاب" مثل ایک کاغذی ناؤ کے کیا حقیقت رکھتا ہے! تاہم خدا کے بھروسے پر اسے چھوڑتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کس دردمند کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ کون اس سے پچتا ہے۔ کون اسے بچاتا ہے اور کس کے لیے یہ کار آمد ہوتا ہے۔ اگر کسی دوسرے کے لیے نہیں تو خود میرے ہی لیے اس امتحان کا نتیجہ سبق آموز ثابت ہو جائے گا۔

اس "خطاب" میں اکیس ۲۱ مختلف مضامین کے اکیس ۲۱ ہی بند ہیں اور ہر بند میں نو ۹ شعر ہیں اور آخر میں نو ۹ شعر مدعا کے بھی ہیں۔ اس ترکیب بند کے اشعار کی بحر ہزج مثمن اخرب اور وزن مفعول مفاعیلن ہے۔ پرماتما قوم کے دل میں شمعِ الفت ایسی روشن کرے کہ پہلی ہی نظر میں صحیح نگہ پڑے تاکہ دل پر اسکے صحیح معنے منعکس ہو جائیں اور غلط فہمی پیدا ہی نہ ہونے پائے۔ البتہ

یہ جاننا ضروری ہے کہ صحیح نگہ کیونکر پڑتی ہے ؟ ع

جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

افسوس یہ ہے کہ قوم کی حالت اس وقت خطرے میں ہے اور خاص توجّہ کی محتاج ہے۔ زیادہ وقت ہاتھ سے نکل چکا ہے اور جو تھوڑا سا باقی ہے اُس میں کچھ کام زیادہ محنت سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ محنت جی اور جان سے کی جائے اگر یہ موقع بھی کھو دیا گیا تو خُدا حافظ ! ؎

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی — گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

ایسی حالت میں کل کا کام آج اور آج کا اب کرنا مناسب ہے۔ بھلے کام میں توقّف کرنا خود دھوکا کھانا اور دوسروں کو دھوکا دینا ہے ! ؎

وقت پر قطرہ بہت ہے ابرِ خوش ہنگام کا — جل گیا جب کھیت پھر برسا تو وہ کس کام کا

وقت کے موافق اور ناموافق ہونے کی شکایت بیجا ہے۔ وقت اچھے کام میں لگانے سے اچھا بُرے کام میں لگانے سے بُرا کہلاتا ہے پس جیسے آپ ہونگے ویسے ہی کام میں آپ کا وقت بھی صرف ہوگا اور ویسا ہی وقت بھی کہلائیگا۔ پس یہ اب آپ ہی کے اختیار میں ہے چاہے آپ اُس گھاس کے تنکے کی طرح

بن جائیں کہ جس رُخ اُسے ہوا اُڑا لے جائے وہ چلا جائے یا آپ مثل اُس برگد کے درخت کے ہو جائیں کہ جو زمانے کا سرد و گرم سہتا ہوا اپنی جگہ پر قائم رہے۔

ہر چیز کا بگاڑ دینا آسان اور بنانا مشکل ہوتا ہے اور بگڑتے ہوئے کا سنبھالنا اور بھی زیادہ دشوار ہے۔ مَیں تو یہی کہوں گا کہ آپ جس قوم میں پیدا ہوئے ہیں اُس کو بنائے رکھیے اور اُس میں بنے رہیے۔

اصل سے ہو کے جُدا نشو و نما کی اُمید
مجھکو حیرت ہے کہ بوڑھوں میں یہ بچپن کیسا

جس شخص کی پرائیویٹ اور پبلک زندگی میں بھید ہو تو جاننا چاہیے کہ اُس کے ظاہر و باطن میں فرق ہے اِس لیے اُس کا برتاو دوسروں سے دل سے تو اور ہوگا دکھانے کے لیے اور۔ ممکن ہے اُس کا چال چلن بھی قابل اعتبار نہ ہو۔ پس ہر فردِ قوم سے خُفیہ یا علانیہ ایسا ایک بھی فعل سرزد نہ ہونا چاہیے کہ جس کا خراب اثر اُس کے اپنے دیگر ممبرانِ خاندان۔ احباب اور کُل قوم پر پڑے۔ جس طرح ایک مچھلی سارے تالاب کو گندا کر دیتی ہے اُسی طرح قوم میں ایک بُری مثال تمام قوم پر دھبّا لگا دیتی ہے۔

چو از قومے یکے بے دانشی کرد   نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

Manners are the shadows of virtues.

ودّیا - بَل - دھَن پر اُپکار ہی میں لگانے سے بڑھتے ہیں اور اُنکا اہنکار ہمیشہ دھرم کے نہ ہونے سے ہوتا ہے اپنے دھرم کو قائم رکھنا اور خود اُس میں قائم رہنا بھی ایک دھرم ہے۔ ۵

مَیں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دُنیا میں نام کرتے ہیں

یاد رکھیے :-

اس گلستاں میں نہیں حد سے گذرنا اچھا
ناز بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر

اب آپ اس خیال پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے اور اسی کو اپنا چراغِ راہ بنائیے یہی ایک کام اِس وقت آپ کے کرنے کا ہے یعنے قومی چمن کو سرسبز رکھنے کے لیے آپ اپنے ع

دل کے چمن کو آبِ محبت سے سینچیے

مَن مِلے کا سب رمیلا ہے اگر مَیلا ہے تو جھمیلا ہے!

نصیبِ اعدا! ہمیں قوم کے لیے بقول ہمایوں لاہوری (زمانے کو مخاطب کرکے) کسی دن یہ کہنے کی نوبت نہ آئے کہ ؎

کسی کی ہستی کی داستاں تو نے کی ہے تحریر آبِ زر سے
ہمارے نام و نشاں کو حرفِ غلط کی صورت مٹا دیا ہے

میرا پہلا سنہ ۱۹۱۱ء کا "خطاب بہ بھارت" جگانے کے لیے اور دوسرا سنہ ۱۹۱۸ء کا "قومی ایڈریس" ہوشیار کرنے کے واسطے تھا۔ اب سنہ ۱۹۲۶ء میں یہ "خطاب بہ کشمیری پنڈتان" ملک و قوم کو اُس کے اصلی کام میں کمربستہ ہونے کی غرض سے تیسری مرتبہ اُٹھانے کے لیے ہے اس سے زیادہ اور کہنے کی اب نہ ضرورت ہے نہ مہلت!

عاشقو! سازِ دل کا چھیڑنا اور سوئے ہوئے شیر کا جگانا برابر ہوتا ہے۔ چمن میں بیتا بانہ وہی قدم رکھتا ہے جسے نالۂ بُلبل سننے کی تاب ہو۔ اُس کے پُر درد راگ کو دردمند ہی سُن سکتے ہیں بیدردوں کا کام نہیں!

سر اقبال کا ایک قطعہ پڑھنے کے بعد میں اپنا ساز چھیڑتا ہوں اُسکے سوز سے جیسا کچھ اثر آپ کے ساز پر ہو آپ جانیں اور آپ کا کام!

ٹپک اے شمع! آنسو بن کے پروانوں کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری
ہمارا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گُل ہوں میں خزاں ہر گُل کی ہے گویا خزاں میری

بندِ اوّل

خطاب بہ قوم

ملّت کے ہوا خواہو! اے شمع کے پروانو!   اے ملک کے داناؤ! آداب کی اب ٹھانو!
یہ راگ وطن کا ہے پیغام چمن کا ہے   ہوشیار سخن دانو! آباد ہو ویرانو!
ہے جوشِ تلاطم کا منجدھار میں ہے کشتی   ہشیار ذرا ہو کر دیکھو تو نگہبانو!
نادان نہ بن جاؤ کیوں ہوتے ہو خود رفتہ   ہو غیر کے دلدادہ کچھ اپنے کو پہچانو!
اے نیند کے متوالو! ہے وقت بڑا نازک   غفلت یہ نہیں اچھی یوں لمبی نہ تم تانو!
اک بات ہے یاد آئی سن لو مرے سب بھائی   کہتا ہوں جو کہنے کو دل میں نہ بُرا مانو!
پنڈت میں ہوں کشمیری جو تم ہو وہی میں بھی ہوں   ہاں قوم کا خادم ہوں دیکھو مجھے پہچانو!
گر چاہتے ہو بہتر ماضی سے ہو مستقبل   واجب ہے کہ تم اپنے حالات کو بھی جانو!

بس لطف اسی میں ہے باتوں کو مری مانیں
مرکز ہے کہاں اپنا ہر پھر کے یہ سب جانیں

۳۰۰

بند دوم

ماضیِ قوم

تھی اگلے زمانے میں تعلیم کی گو قلّت پر تربیت اچھی تھی، ہر کام کی تھی ہمّت
دولت تھی مگر مقصد تھا اور کے کام آئے دھرم اپنا رہے چاہے مر جائیں تھی یہ نیّت
شاکر رہے شکوے سے لب کو نہ کیا واقف قانع تھے ملا جو کچھ سمجھے اُسے سب نعمت
تھی وضع بہت سادی تھی قطع بہت سیدھی ہلکی تھی غذا اپنی دہ چند تھی گو دولت
اپنے سے بڑوں کا سب کرتے تھے ادب دل سے خوش خُو تھے رفیق اپنے خوش وضع تھے ہم صحبت
اُس دَور کا ہر انساں اخلاق کا پُتلا تھا تھا طول نہ باتوں میں بکنے کی نہ تھی عادت
نفرت تھی بُرائی سے مرتے تھے بھلائی پہ ہر کام کو کرتے تھے سب سوچ کے بے عجلت
دیوی تھی ہر اک عورت دل جس کا تھا اک مندر تھی دھرم کے دامن میں اُس کے لیے ہر راحت

جب پردۂ غفلت کو آنکھوں سے ہٹا دو گے
پہلا سا چلن اپنا پھر آپ دکھا دو گے

بند سوم

حالِ قوم

جو چال غریبانہ تھی ہو گئی شاہانہ   تو سب سے ہوا غافل وہ رہ گیا افسانہ

اس رَو میں بہے جانا لازم ہے بھلا کب تک   اے وقت کے بندے تو کیوں ہو گیا دیوانہ

ہمت سے زیادہ تو کرتا ہے عبث خواہش   ہیں خواب تو محلوں کے اور رہنے کو کاشانہ

حلقے سے نہ جا باہر رہ مل کے یگانوں میں   اپنوں سے جدا رہ کر ہو جائے گا بیگانہ

جب تفرقۂ قومی باقی نہیں محفل میں   کیوں ساغرِ اُلفت سے خالی رہے میخانہ

کچھ تجھکو خبر بھی ہے اے بے خبرِ ملّت   تجھ میں ہیں کچھ ایسے بھی رہتے ہیں جو بے دانہ

تفریح میں تو طاقت، زر، وقت نہ غارت کر   تہذیب و تمدن کا اک ہوتا ہے پیمانہ

عاقل کو اشارہ بھی کافی ہے محبت کا   کیوں شمعِ اُخوت کا بنتا نہیں پروانہ

جب قوم مٹے گی تو افراد سے کیا ہوگا
نادان بتا تو ہی کیا اس میں بھلا ہوگا

بندِ چہارم

فرضِ برہمن

تھا علم کا پھیلانا اک فرض برہمن کا
باقی نہ رہا لیکن اب ایک بھی اس فن کا

پہلے بھی رہبر تھا اب خوار ہے دُنیا میں
کیونکر نہ اِسے سمجھوں مَیں ہارا ہوا رَن کا

دُنیا میں جو ہلچل ہے مشکل سے وہ جائیگی
ہے پھوٹ سبب اسکا باعث ہے یہ اَن بَن کا

پنڈت جو ہیں کشمیری سنتان رِشی کی ہیں
ہے ہوش کہاں اِن کو تاریخ کا یا سَن کا

ہر فن میں ہیں گو کامل خود سے ہیں مگر غافل
بے داغ نہیں باقی دانہ کوئی خرمَن کا

مذہب کے نہ پیرو ہیں ملّت کے نہ حامی ہیں
دُنیا کی ترقی میں سودا ہے فقط دَھن کا

کیا دھرم کا شکوہ ہو اخلاق بھی کھو بیٹھے
جب جان نکل جائے کیا پاس رہے تَن کا

کوشش سے یہ ممکن ہے تو اب بھی سنبھل جائے
دھو جائے تلافی سے جو داغ ہے دامن کا

ہے بارِ امانت کا غافل جو ترے سر پہ
ہو اس سے سبکدوشی بے کام کیے کیونکر

بندِ پنجم

خطاب بہ خواہشِ انسانی

اے خواہشِ انسانی سُن بات یہ لاثانی — مشکل ہے جہاں بننی آساں ہے سخن رانی
ہوتی جو خبر تجھکو کیا جانیے کیا ہوتا — ہے بیخبری میں بھی دعوائے ہمہ دانی
وہ نفس پرستی تھی جو کچھ بھی کیا تُو نے — سمجھا جسے دانائی نکلی وہی نادانی
نخوت ہی تجھے آخر عظمت سے گرا دیگی — اک روز مٹا دے گی تجھکو یہ تن آسانی
اے عیش کے متوالے کر کام شرافت کا — بن قوم کا شیدائی کر نفس کی قربانی
سُن سُن کے مری باتیں ہوتا ہے پریشاں کیوں — کہہ دل کو بھی کچھ تیرے ہوتی ہے پشیمانی
پوچھے جو کوئی اب تک کیا جی کے کیا تُو نے — غیرت سے وہاں ڈوبے اک بوند نہ ہو پانی
جو کچھ بھی حقیقت ہے ظاہر ہے وہ صورت سے — کیونکر نہ لگا ہوں کو ہو دیکھ کے حیرانی

ان باتوں سے کیوں صدمہ دل کو نہ مرے ہوتا
جس قوم پہ ہوں مرتا اُس قوم کو ہوں روتا

۹

بند ششم

خطاب بہ پروردۂ قوم

کیوں قوم کا دشمن ہے یہ بیر تجھے کیسا	یوں قوم کی ہستی کو برباد نہ کرنا تھا
کرتا ہے بھلا اپنا اوروں کا بُرا کرکے	سُن! سب کی بھلائی میں تیرا بھی بھلا ہوگا
کیا قوم کی ہستی ہی منظور نہیں تجھکو	کیوں اسکی طرف سے تو یوں رہتا ہے بے پروا
اوروں کا گِلہ کیوں ہو غیروں کی شکایت کیوں	جب شومیٔ قسمت سے رونا ہو مقدر کا
کیوں بوتا ہے رستے میں خود اپنے لیے کانٹے؟	کچھ سوچ جو عاقل ہے کچھ دیکھ جو ہے بینا
جس پیڑ کا تو پھل ہے جڑ کاٹتا ہے اُس کی	مِٹ جائے گا تو خود ہی نقصان کسی کا کیا
پیوند لگائے گا جو نسل سے تو باہر	پودا یہ محبّت کا ہرگز نہ ہرا ہوگا
رہنے سے جُدا قطرہ ہے بیش بہا گوہر	نابود وہ ہو جاتا دریا سے اگر ہلتا

اک منتخبِ قدرت اعمال سے ہے اپنے

اک باعثِ صد ذلّت افعال سے ہے اپنے

بند ہفتم

حُبِّ وطنی و قومی

باہر وہ کہاں گُل کا جو رنگ چمن میں ہے — جب تک وہ چمن میں ہے طاقت بھی بدن میں ہے
کانٹوں پہ چمن میں ہے بُلبل یہ فراقِ گُل — نالاں ہے مگر یہ بھی کیا کم کہ وطن میں ہے
تکلیف سہے گا جو آرام بھی پائے گا — راحت کا اشارہ خود ہر رنج و محن میں ہے
جس درجہ کثافت ہے، وہ تازہ روشن ہیں سب — جس درجہ لطافت ہے سب طرزِ کہن میں ہے
جو توڑ دے شیرازہ یا باندھ دے گلدستہ — وہ باپ کی باتوں میں مادر کے سخن میں ہے
ہے جسم الگ لیکن اک جزو ہے تو گُل کا — اندازۂ قومیّت خود تیرے چلن میں ہے
مل جُل کے ملنساری آپس میں وہ پیدا کر — جو وصل کی خوش حالت گنگ اور جمن میں ہے
ہوں لفظ ترے شیریں ہوں حرف ترے پیارے — جو دل پہ کرے جادو وہ بات دہن میں ہے

مانے کہ نہ مانے تو کہتا ہے یہی پیہم
دم قوم ہی کا بھرنا جب تک رہے دم میں دم

بندِ ہشتم

عہدِ خادمِ قوم

ہاں! کہدے ارادے میں کچھ فرق نہ اب ہوگا   ہر خدمتِ قومی پر ہے عہد مرا پکّا
جو پھول تر و تازہ ہیں گلشنِ ملّت کے   میں اُن کو سجاؤں گا رکھوں گا یونہیں تازا
بے قاعدہ چلنے سے رستے بھی جُدا ہونگے   ہوگا نہ ترے دل کو منزل کا کچھ اندازا
ہو باغِ وطن اپنا ایک ایک روش اپنی   گُل ریز تمنّا ہو کشمیر کا ہر ذرّا
بے قید و تعیّن کے تو فیض ادا کر دے   تو قوم کا خادم ہے مسکن ہو کہیں تیرا
یوں قوم کی خدمت کا آئین مرتّب کر   ہر کام کے کرنے کو دستور رہے پورا
ہر ماہ میں اک مجلس ہو شہر کے حلقے کی   ہر حلقے کا سالانہ اک جلسہ رہے ہوتا
اب ڈھیل نہیں اچھی جو کام ہوں پورے ہوں   تجویزیں جو سوچی ہیں ہوتی نہیں کیوں اجرا

دشمن نہ کوئی ہوگا ہو جائیں گے سب تیرے
ہے نخل اگر اچھا تو آئیں گے پھل اچھے

بند نہم

تجویزِ مرکز و حلقہ جات

کر کام کو تو جاری کوشش سے نہ ہو بار
کشمیر میں رہ چل کر کشمیر کا بن جا کر

پہچانیں گے بالآخر ارباب وطن تجھ کو
امداد تجھے دیں گے سو جان سے وہ یکسر

لاہور میں اک مجلس اک عمر سے قائم ہے
جموں میں بھی ہو جائے قائم تو بہت بہتر

اک آگرہ میں حلقہ اور ایک ہو دہلی میں
ہاں لکھنؤ بھی اس سے رہ جائے نہ کچھ کمتر

بن جائے اودھ کا بھی حلقہ تو مناسب ہے
اک حلقہ بھی ہے لازم پریاگ کے تیرتھ پر

اتنا بھی جو ہو جائے اس وقت بہت سمجھو
پھر بعد کو دیکھیں گے ہم لوگ نہیں بے پر

خورشیدِ وطن سے جب ہر گوشہ منور ہو
خدام کا روشن ہو آفاق میں اک اک گھر

جو کام ہو کر اس کو تو فکر و توجہ سے
جلدی میں بڑی باتیں جاتی ہیں بگڑ اکثر

اخلاق سے پیش آ کر تہذیب سکھا دے تو
حاسد جو ہیں ہنس ہنس کر خوب انکو رلا دے تو ۱

۹

بند دہم

وضع و ترتیبِ قواعد

جو کام کہ لازم ہے وہ پیشِ نظر رکھو — مطلب کی یہی اصلی اک بات ہے تو سیکھو
جب حلقے بناؤ گے تو اُن کے قواعد بھی — مرکز کے مطابق ہی وہ سب کے ہوں سب سُن لو
اخلاق کے درجے میں تہذیب کے پلڑے ہیں — اور ان میں ہوں پورے جب اُن کو کبھی تولو
مذہب سے نہ ہوں خالی یہ شرط ضروری ہے — ہر کان میں ہر دل میں اس قول کو تم بھر دو
اک مذہبی اک علمی اک قومی ہو اک ملکی — یہ چار جدا طبقے ہوں اس کو سمجھ رکھو
موقع کے مطابق ہوں حالت کے موافق ہوں — ہر قاعدہ پورا ہو رہ جائے نہ کچھ دیکھو!
ہے شعبۂ ملکی میں البتہ بڑی دقت — موقع جو اجازت دے ویسا ہی اسے برتو
لو علم سے مذہب سے ہر کام ہمیشہ تم — جو بات بُری دیکھو فی الفور اُسے روکو

ہو عہد شکن کے سر تاوان کا اک ڈنڈا
ایک ایک فدائی کا جس سے ہو جگر ٹھنڈا

بند یازدہم

قومی پنچایت، مکتب و کتب خانے

جمعیتِ قومی سے ہوگا نہ کبھی خوش دل　　ہو عضو کی مضبوطی تو لطف بھی ہو حاصل
ہر فرد تیرا اپنی حالت کو اگر سمجھے　　تقویتِ اعضا میں رہ جائے نہ کچھ مشکل
معجونِ مُفرّح جب بن جائے قواعد کا　　مرغوبِ طبائع ہو بشّاش رہے ہر دل
پابند قواعد کا چھوٹا بھی بڑا بھی ہو　　انصاف کرے اس کا ہو قوم کا جو عادل
جب قوم ہے تو قومی تعلیم بھی لازم ہے　　ہے علم ہی سے کھُلتا سب رازِ حق و باطل
بچّوں کے لیے مکتب ہر حلقے میں ہو قائم　　لڑکی ہو کہ ہو لڑکا کوئی نہ رہے جاہل
تعلیم سے مذہب کی بے بہرہ نہ ہوں بچے　　اور ایسی مکمل ہو جس سے وہ بنیں عاقل
پھر ایک کتب خانہ ہونا بھی ضروری ہے　　تعلیم کو عالم بھی ایسا ہو جو ہو عامل

تدبیر رہے کامل تا کام ہوں سب پورے
بے سعی و عمل سارے بیکار ہیں منصوبے

بند دوازدہم

ست سنگ۔ دھارمک اور روحانی تعلیم

طے کرنی ہے دنیا میں ہاں اور بھی اک منزل
میں تجھکو بتاتا ہوں سن غور سے اے غافل

بے شبہہ۔ دماغی یا جسمانی تو ہوتی ہے
تعلیم میں روحانی تعلیم بھی ہے شامل

کامل تو وہی ہوگا یہ سب جسے حاصل ہوں
بے انکے کہاں ممکن انساں کوئی ہو فاضل

اک کرم سبھاؤ گن والے ہیں جہاں ملتے
ست سنگ کی بس انکے اصلی ہے وہی محفل

ہے سب سے اگر ملنا منظور تو یہ سن لے
اخلاق کا پتلا بن مجلس میں ہو جب داخل

غواصِ خرد بن کر اک ایسا لگا غوطہ
بھگتی کے سمندر کا جس سے کہ ملے ساحل

تدبیر بھی لازم ہے۔ تقدیر کا گو لکھا
بڑھتا بھی نہیں اک جو گھٹتا بھی نہیں اک تل

مشکل نہ کوئی باقی رہ جائے گی عالم میں
دل سے جو ملا کر دل ہو جائیں گے سب اک دل

بچوں کو سکھانے ہیں اوصاف اگر بہتر
خود دھرم کی باتوں پر تو انکو دکھا چل کر

بند سیزدہم

تجاویز: قومی ہال اور تہوار۔ بورڈنگ اور اخبار

ہر حلقۂ قومی میں اک ہال بنا لینا ۔۔۔ تصویر بزرگاں سے سجوا کے دکھا لینا
جلسے بھی وہیں کرنا ہر ماہ میں تم اپنے ۔۔۔ دن رات میں ملنے کو کچھ وقت بچا لینا
یوں یادِ بزرگوں کی رہتی ہے تر و تازہ ۔۔۔ تہوار جو ہیں قومی اُن کو بھی منا لینا
کھُل جائے کتب خانہ بھی اُس میں تو اچھا ہے ۔۔۔ اخبار و کتب پڑھ کر علم اپنا بڑھا لینا
کھیلوں کی طرف جنکی مائل ہے طبیعت کچھ ۔۔۔ جو کھیل ہیں شائستہ کچھ دیر کھِلا لینا
ہاں رکھنا نظر سب پر گمراہ نہ ہو کوئی ۔۔۔ تم راہ دکھا دینا ہر دل سے دُعا لینا
ہر کام کے قابل ہاں ہر شخص نہیں ہوتا ۔۔۔ دیکھو جسے جس لائق رستے پہ لگا لینا
ہر مدرسے میں ہونا ہسٹل بھی ضروری ہے ۔۔۔ اخبار بھی لازم ہے پڑھ پڑھ کے سُنا لینا

وہ کام کرو مل کر جو کام بھی کچھ آئے
کچھ غم نہ کرو اِس میں کچھ وقت جو لگ جائے

۹

بند چہار دہم

تعلّقات گورو و ججمان

اپنے جو گورو جی ہیں شادی ہو کہ ہو ماتم　　آتے ہیں بنائے مُنہ جاتے ہیں خوش و خرّم
بچے جو ہیں انکے وہ بن جاتے ہیں سب بابو　　ججمانوں کے لڑکوں کی اُن میں ہے فضیلت کم
کیا کوئی کہے۔ اُن سے اتنا بھی نہیں ہوتا　　سمجھا کے سنائیں وہ اور سمجھیں کتھا کو ہم
اُن کی بھی شکایت ہے انکی بھی شکایت ہے　　کیا گھر میں اُجالا ہو جب روشنی ہو مدّھم
واجب ہے کہ کچھ یہ بھی دیں اپنی بدل عادت　　قائم نہ کریں جھگڑے گھُل مل کے رہیں باہم
اُپدیش کریں سب کو وہ دھرم کا اب چیت سے　　ودّوانوں کی باتوں کو سب جی سے سُنیں پیہم
سندھیا کو سکھائیں وہ پوجن کو بتائیں گر　　بھگتی کو دکھائیں تو شردھا بھی بڑھے ہر دم
وشواس ہمارا ہو ایشور کا سہارا ہو　　ہر دے میں اُجالا ہو گر دن کو کریں کچھ خم

یوں درہم و برہم ہو کیوں قوم کا شیرازہ
گر دھرم کی پُستک سے ہو دین کا اندازہ

بند پانزدہم

پیسا بچانے کی ترکیب

پیسے کی شکایت ہے کیوں بات بناتے ہیں ۔۔۔ کڑوی نہ لگے ہرگز گُر اس کا بتاتے ہیں
فیشن کی غلامی نے سب کام بگاڑا ہے ۔۔۔ جو رکھتے ہیں کم خواہش پیسے وہ بچاتے ہیں
جو خرچ ضروری ہے پورا وہ نہیں ہوتا ۔۔۔ پھر خرچ کو ہم ہر دم کچھ اور بڑھاتے ہیں
جُز باپ کے ترکے کے آمد ہی نہیں جن کو ۔۔۔ اِسراف کو کیوں عادت اپنی وہ بناتے ہیں
دولت کا تو مل جانا دشوار نہیں لیکن ۔۔۔ مشکل تو فقط اس کی تقسیم کو پاتے ہیں
بہتر ہے مصارف میں کب حد سے گذر جانا ۔۔۔ دولت غم و شادی میں بیکار لُٹاتے ہیں
اک دھوم ہے دُنیا میں اُنکی جو نہیں کرتے ۔۔۔ جو کرتے ہیں کچھ نیکی دریا میں بہاتے ہیں
برباد جو کرتے ہیں زر کو وہ بُرے ٹھہرے ۔۔۔ جو نیک ہیں وہ اچھے کاموں میں لگاتے ہیں

دولت کے بچانے کی ترکیب یہ ہے پیاری
پیسا نہ فضول اُٹھے ہو اس کی نگہداری

بند شانزدہم

پیسا کمانے کی تدبیر

اب پیسا کمانے کی تدبیر بتائیں گے　　حلقوں کی طرح قومی اک بنک بنائیں گے
سب حلقے رجسٹر ہوں سب بنک لمیٹڈ ہوں　　یہ بات ٹھکانے کی ہم کرکے دکھائیں گے
جب اسکو سنبھالیں گے حلقوں کے بڑے خادم　　چھوٹے بھی بہ صد رغبت ہاتھ انکا بٹائیں گے
ہے ذکر کیا ہم نے پہلے جن اداروں کا　　یوں ان کو نہ رکھیں گے اِنشور کرائیں گے
بڑھنا ہے بڑھانے سے گھٹتا ہے گھٹانے سے　　زر ہو کہ بھروسا ہو مل جُل کے بڑھائیں گے
جو قوم کے رہبر ہیں ہے فخر ہمیں اُن پر　　وہ راہ چلیں گے ہم جو ہم کو دکھائیں گے
جو شخص یہ چاہے گا دُنیا میں کہ کچھ سیکھے　　امداد و وظائف سے ہم اُسکو سکھائیں گے
موڑیں گے نہ مُنہ ہرگز ہم انکی محبت سے　　جو خدمتِ قومی سے مُنہ کو نہ چھپائیں گے

مطلب کے نہ بندے ہو احسان کرو سب پر
مُکتی کے لیے اس سے تدبیر نہیں بہتر

بند ہفت دہم

عورتوں کے فرائض

اخلاق کا پیمانہ ہو جاتا ہے جب اعلےٰ — اُٹھ جاتا ہے آنکھوں سے ظلمات کا ہر پردا
یہ بند شبیں یہ قیدیں درکار جبھی تک ہیں — جب تک کہ نہ ہو جائے فردوں کا چلن اچھا
وہ قوم کی ہو اپنی یا غیر ہی ہو کوئی — عورت سے یہ آزادی ملنا نہیں ہے زیبا
سب جانتے ہیں خامی دل چور ہے اک نامی — نظریں بھی جو ہوں خامی کھنچتا ہے بُرا نقشا
تعلیم مناسب کی عورت کو ضرورت ہے — جب تک نہ ہو یہ اچھا چرخہ نہ چلے گھر کا
ہیں مرد و زن آپس میں اک گاڑی کے دو پہیے — ہو ٹھیک دُھرا ان کا تو چلتی ہے یہ عمدہ
جو مرد کماتا ہے یہ خرچ اُسے کرتی ہے — حاصل ہے سلیقہ تو پیسا بھی ہے کچھ بچتا
اطوار جو ہوں بہتر کیوں عیش نہ حاصل ہو — سب ہو کے رہیں یک دل یہ لطف ہے رہنے کا

دھیرج بھی دھرم بھی ہو کچھ شرم و حیا بھی ہو
ساتھی وہ پتی کی ہو تو نیک اُسے جانو

بند ہشت دہم

جوانی کی شادی کے نتائج

شادی میں لڑکپن کی کچھ ایسی تھیں تدبیریں — ہو جاتی تھیں لڑکی پہ سسرال کی تاثیریں
اب رنگ پہ روغن پہ بنیاد ہے شادی کی — اب زائچے کے بدلے کام آتی ہیں تصویریں
کچھ شرم و حیا سے اب مطلب نہ رہا باقی — اب عشق کی باتیں ہیں الفت کی ہیں تحریریں
کچھ دن تو نباہیں گے آپس میں بہ صد کوشش — پھر شوق کے گھٹنے پر چل جائیں گی شمشیریں
ہے خوف میاں کو یہ بھاگے نہ کہیں بیوی — لیکن نظر آتی ہیں کب روک کی زنجیریں
عفت کی حفاظت میں کچھ کام نہیں دیں گی — آزادی کی دیواریں بے دھرمی کی تعمیریں
ہو جائے اگر بیوہ کچھ غم ہی نہیں اس کو — کیا بگڑے گا پہلے سے بڑھ جائیں گی توقیریں
بیواؤں کے حامی یا ہمدرد بہت دیکھے — دن رات سنیں ان کی بیکار کی تقریریں

ممکن نہیں دونوں کا دنیا میں گزر مل کر
جب راسیں نہ ملتی ہوں ہم رنگ نہ ہوں اختر

بند نوزدہم

آزاد بیوہ و جوان کی خواری اور کنواری کی بیزاری

آخر یہ بتاؤ تو یہ یاری ہے یا خواری — بگڑی کو بگاڑا ہے یہ اور گنہگاری

گو خود وہ نہیں رنڈوے گھر انکا بھی اُجڑا ہے — ہر کام گنہ پرور ہر بات ہے بازاری

ماں باپ سے کہتے ہیں بے خوف و خطر لڑکے — شادی نہ کریں گے ہم جب تک ہے بیکاری

کچھ روک نہیں اُنکو اُٹھ جائے جدھر کو مُنہ — حاجت ہو اگر کوئی کچھ بھی نہیں دشواری

ہر دم یہ تقاضے ہیں بیواؤں کی شادی ہو — کچھ فکر نہیں لڑکی رہ جائے اگر کنواری

سوچو تو ذرا دل میں لئے قوم کے غمخوارو! — اُس کنواری کی ناداری آفت کی جو ہے ماری

کب تک وہ دل آزاری سہہ سکتی ہے غفلت کی — چلدے گی، جہاں راحت پائیگی وہ بیچاری

وہ ظلم ہے بوڑھوں کا لڑکوں کا ستم ہے یہ — میرے لیے یہ غفلت تم کو ہے یہ بیداری

واقف ہیں بُری اچھی باتوں سے تو خود ہی سب
اک فرض تھا کہہ دینا کچھ اور نہیں مطلب

بند بستم

اصلی مُدّعا شادی و حفاظت زُنّار و چوٹی

ہو جو اگر بیوہ تو مُنھ نہ لگانا واں — کر شکر خدا وندی قائم جو رہے ایماں
یہ جسم کی لذّت کیا اک لمحے کا قصّہ ہے — اس جسم کی خاطر ہو کیوں روح بشر قرباں
تم بیوہ کی شادی کے حامی نہ بنو ہر گز — دو عملی میں پڑ کر دل ہو جائیگا پھر ویراں
اولاد نہیں جن کے لالے بھی ہیں کھانے کے — بیشک وہی بیوائیں امداد کی ہیں خواہاں
واجب ہے کہ ہم ان کی امداد کریں دل سے — اور ان پہ نہ کچھ رکھیں اس بات کا ہم احساں
یہ بال یہ کپڑے جو فیشن نے نکالے ہیں — ہر گز بھی شرافت کے ہونے کے نہیں شایاں
زُنّار کے تاروں کا تم راز نہیں سمجھے — یہ راز اگر سمجھو تو ہو نہ کبھی حیراں
کیوں بال یہ چوٹی کے ہیں تم کو وبال اتنے — سوچو تو ذرا دل میں ہوتے ہو عبث ترساں

کمزوری ہے اخلاقی! قوم اسکو اگر مانے
وہ کیا نہیں کر سکتی؟ فرض اپنا جو پہچانے

بند بست دہم

قدر و منزلت شناسی، احسانمندیِ بزرگان و شکریہ

سب چہرے ہیں پژمردہ ایک ایک ہوا حیراں
کیا بات بُری سُن کر ہے قوم کا دل لرزاں

ہے وقت جو کچھ باقی غفلت میں نہ کھو جائے
ہے درد اگر دل میں ہو جائے ابھی درماں

مذہب جو بتاتا ہو کر اس کو بہ صد رغبت
پیرو ہو بزرگوں کا مان اُن کا ہر اک فرماں

احکام منو کافی ہیں رشد و ہدایت کو
کر منتخب ان کو تو کر ویسے ہی تو ساماں

احکام کی کُنجی ہیں منتر کو اگر پڑھ لے
دل شاد ترا ہوگا مضبوط ترا ایماں

کر شادی و غمی کی بھی ہر رسم کی پابندی
اس طرح کہ ہو جائے وہ تجھ پہ بہت آساں

جو کام ترا اصلی ہے یاد رہے تجھ کو
جو راز چھپانے کا ہو رکھ اُسے تو پنہاں

ودوان تجھے حاصل [illegible]
کیا کر نہ گئے پورا کیوں اُنکا بھلا احساں

صد شکر ہوئی حاصل [illegible] کو سبکدوشی
کافی ہیں یہ سب باتیں اب چاہیے خاموشی

مدّعا

یہ جسم ہے اک زنداں

اک جسم کے اعضا ہو مل جُل کے رہو سارے — ہاں ٹھیک طرح رہ کر سب کام کرو اپنے
دَم قوم ہی کا اپنی لازم ہے تمھیں بھرنا — تم زندہ اُسے رکھنا جینے کے لیے مرنا
اُپکار رہے جگ کا کچھ دھیاں رہے حق کا — یہ بات جو حاصل ہو پھر خوف کوئی کیسا
تم سب کے کرو حصّے ہو یافت تمھیں جتنی — کچھ حصّہ دھرم میں دو ہے عرض مری اتنی
جَے دھرم سے ہوتی ہے ست دھرم ہی ہے اعلیٰ — اور دھرم ہی سے ہوتی وِدّیا کی بھی ہے شوبھا
دھرم اپنا نہ تم چھوڑو تدبیر ہے یہ بہتر — پڑتا ہے بزرگوں کا خردوں پہ اثر اکثر
اک راہ پسندیدہ تھی فرض جتا دینا — اب تم کو ہے خود چلنا اوروں کو بتا دینا
ہو دُور یہ ناداری ہو قوم کی غمخواری — حق دے تمھیں بیداری ہوں کام بھلے جاری

اب داغِ گنہ دھولو اور دیدۂ دل کھولو
گلشنؔ کا سخن تو لو جے دھرم کی سب بولو

حصّۂ دوم

ارشادات

تبصرہ بر مجموعۂ کلامِ گلشنؔ

ازخامۂ نقّادِ نقدِ سخن عالی جناب خان بہادر سید ابو محمدؔ ایم اے ریٹائرڈ کلکٹر
سابق ممبر پبلک سروس کمیشن الہ آباد (یو۔پی)

دیوان رادھے ناتھ کول صاحب المتخلص بہ گلشنؔ عصرِ حاضر کے اُن چند نفوس قدسی میں سے ہیں جن کو پُرانی تہذیب و تمدّن کی یادگار اور اپنے فضائل و کمالات کے اعتبار سے فخرِ روزگار کہنا چاہیئے۔ آپ کشمیری نژاد اور اعلیٰ خاندان کے رُکن ہیں جس کا مسکن شہر لاہور میں تھا۔ آپ کے خاندان کا تذکرہ سرکاری کتاب "پنجاب چیفس اینڈ فیملیز آف نوٹ" میں موجود ہے۔ آپ پنجاب چیفس ایسوسی ایشن کے آنریری اسسٹنٹ سکریٹری تھے جس کے سکریٹری راجہ سر دلجیت سنگھ اور اُن کے بعد نواب سر ذوالفقار علی خاں رئیس مالیر کوٹلہ مرحوم رہے۔ آپ ابتک صوبہ پنجاب کے درباریوں میں ہیں۔ اگرچہ الہ آباد کی خوش قسمتی سے اب بیشتر آپ کی سکونت یہاں رہتی ہے اور صرف علاقہ

کے انتظام ونگرانی یا شرکتِ دربار کی غرض سے کبھی کبھی پنجاب تشریف لیجاتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد بھی شاعر تھے اس طرح شاعری آپ کو ورثہ میں ملی ہے۔ آپ کی پیدائش پنجشنبہ ۴ر جنوری ۱۸۷۳ء میں ہوئی۔ آریہ اسکول اور مشن کالج میں بی۔ اے تک علاوہ پرانی درسیات کے تعلیم پائی۔ اُردو ہندی۔ انگریزی۔ فارسی میں مہارت تام رکھتے ہیں۔ الہ آباد اور اُسکے قرب وجوار میں تو ہر مشاعرہ میں آپ ہی کی صدارت مقبول ہوتی ہے۔ لیکن لاہور۔ مرزا پور۔ پرتاب گڑھ۔ دہلی اور لکھنؤ میں بھی بڑے بڑے عظیم الشان مشاعروں کی صدارت آپ نے بڑی قابلیت سے فرمائی ہے۔

بتقریب سلور جوبلی بزم سخن دہلی جناب پنڈت امرناتھ صاحب مدن ساحر دہلوی نے سناتن دھرم اسکول دہلی میں دیوان صاحب کی صدارت میں ۳۰، ۳۱ ر دسمبر ۱۹۳۶ء کو آل انڈیا مشاعرہ دھوم دھام سے کیا مجمع ایک ہزار کا تھا اردو کا مصرعہ طرح تھا ع

"اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے"

اس کا گلدستہ "خورشید خاوری" کے نام سے جنابِ ساحر دہلوی نے

شایع کیا ہے۔ اس مشاعرہ کے مہتم بالشان ہونے کا ذکر تمام اخبارات پنجاب و دہلی میں بھی چھپا تھا اور جناب گلشنؔ صاحب کا خیر مقدم بڑے تزک و احتشام سے بینڈ باجہ کے ساتھ کیا گیا۔ "باغِ نشاط" میں غزل صفحہ ۱۴۶ پر ملاحظہ ہو۔

سالانہ آل انڈیا مشاعرہ لکھنؤ میں انجمن "بہار ادب" کا قیصر باغ بارہ دری میں ممدوح کی صدارت میں ۴ر فروری ۱۹۴۰ء کو ہوا مصرعہ طرح تھا

ع "دشواریِ حیات کو آساں نہ کر سکے"

مجمع قریب تین چار ہزار کا تھا "باغِ نشاط" میں غزل صفحہ ۱۳۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ راقم کو بھی اس مشاعرہ میں شرکت کا شرف حاصل ہوا تھا۔

۲۲ر مارچ ۱۹۴۱ء کو پرتاب گڈھ میں ایک آل انڈیا مشاعرہ موصوف کی صدارت میں دھوم دھام سے ہوا۔ اس مشاعرہ میں بھی راقم شریک تھا طرح یہ تھی۔ ع

"تسلیوں نے کیا اور بے قرار مجھے"

"باغِ نشاط" میں صفحہ ۱۱۷ پر غزل ملاحظہ فرمائیں۔

غیرطرحی آل انڈیا مشاعرہ اوّل مرتبہ مرزاپور میں ۱۰ اپریل ۱۹۴۳ء کو ممدوح کی صدارت میں ۹ بجے شب سے ۳ بجے صبح تک دو ڈھائی ہزار کے مجمع میں بخیر و خوبی ہوا۔

انجمن روحِ ادب کا افتتاحی غیرطرحی آل انڈیا مشاعرہ زمیندار ایسوسی ایشن ہال الٰہ آباد میں ۲۱ دسمبر ۱۹۴۱ء کو ہوا۔ اس کے صدر بھی جناب گلشنؔ صاحب ہی تھے۔ اس کا گلدستہ "چراغِ محفلِ فصاحت" صاحب موصوف نے مرتب کیا ہے۔ جو غزل مشاعرہ میں پڑھی گئی وہ اس دیوان میں صفحہ ۱۱۶ پر ملاحظہ ہو۔ اس مشاعرہ کے لئے اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے بھی خاص طور پر اپنی غزل تصنیف فرما کر مرحمت فرمائی تھی۔ دیوان صاحب "انجمن روح ادب" کے جس کے صدر رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو ہیں آنریری خزانچی اور رکن اعلیٰ ہیں۔

آپ خدا کے فضل و کرم سے خوش حال ہیں مگر نہایت سادہ طریقہ سے رہتے ہیں اور امورِ خیر میں کشادہ دلی سے صرف کرتے ہیں طبیعت میں نفاست اور صفائی اور باقاعدگی ہے۔ بیشتر وقت عبادتِ الٰہی

میں گزرتا ہے باقی خدمتِ خلق اور خدمتِ ادب میں۔ مذہباً سناتن دھرمی ہیں مگر ان کو ہندوستان کے سب مذہبوں سے واقفیت ہی نہیں بلکہ گہری دلچسپی ہے اور چونکہ طبیعت صلح پسند اور حق پرست پائی ہے اس لیے تعصّب نہیں رکھتے۔ بھارت دھرم مہامنڈل بنارس کی طرف سے آپ کو 'دھرم رتن' کا معزز خطاب ملا ہے۔ اس لیے کہ آپ سناتن دھرم کے نہایت باوقعت رکن مانے جاتے ہیں اور سناتن دھرم کالج لاہور کے کمیٹی انتظامیہ کے عرصہ تک ممبر رہے ہیں۔ آپ اٹاوہ میں کھٹکھٹا باباکے آشرم اور سنسکرت کے قدیم پستکوں کے نادرالوجود کتب خانہ کے ٹرسٹ کے صدر ہیں اور اُس آشرم سے فیض روحانی ان کو حاصل ہے۔ اپنے بزرگوں کے ریت پر چلنے کے باوجود ان کو کسی دوسرے مذہب سے عداوت نہیں۔ محبّت ان کا مذہب ہے جہاں عداوت کا دخل نہیں۔ خود فرماتے ہیں ؎

ہو حکومت جہاں محبّت کی

کام کیا ہے وہاں عداوت کا

ممدوح کا سارا کلام محبت سے لبریز ہے ملاحظہ ہو ؎

بے غرض ہے مرا جس سے ہے زمانے میں لگاؤ

کیوں کرے گی مجھے بدنام محبت میری

محبت دل میں جب ہوگی تو پیدا ربط بھی ہوگا   نہ رہ جائے گا باقی فرق ہندو اور مسلماں کا

محبت چھپ نہیں سکتی چھپانے سے زمانے میں

کلی جب باغ میں کھلتی ہے کیا خوشبو نہیں ہوتی

ایک اور غزل میں محبت اور سچی محبت پر یوں زور دیا ہے ؎

محبت میں نہ کام آئیں گی ظاہر داریاں گلشن   بلیں جب تک نہ دل کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا

ممدوح کے صفات حمیدہ بیان کرنے کو ایک دفتر چاہیئے۔ راقم کو اُن کی خدمت میں کئی سال سے نیاز حاصل ہے اور ان کی جو قدر و منزلت میرے دل میں ہے وہ میرا دل جانتا ہے۔ انکے کلام کی بے ساختگی اور سادگی اُن کی اُستادی کی بیّن دلیل ہیں۔ بڑے مشکل فلسفانہ خیالات کو ایسی سیدھی سادی طرح سے ادا کر جاتے ہیں کہ سُننے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ زیادہ انداز دلّی والوں کا سا ہے لکھنؤ کا رنگ اُن کے کلام میں کمیاب

ہے۔ ان کا کلام ایک آئینہ ہے جس میں ان کے جذبات اور خیالات صاف صاف اور ہو بہو نظر آتے ہیں۔ یہ خصوصیّت اور شعرا میں مشکل سے پائی جاتی ہے۔ گلشنؔ صاحب کا ظاہر و باطن ایک ہے اس لیے اُن کے اشعار میں جو پاکیزہ باتیں ہم دیکھتے ہیں وہ وہی ہیں جن پر گلشنؔ صاحب خود تمام عمر عامل رہے ہیں اُن کا شعر ہے ؎

علم و عمل میں فرق زمیں آسماں کا ہے کہنے کو کر دکھائے کوئی دل لگی نہیں

وہ بات نہ کہہ جس پہ عمل خود نہ کیا ہو

کیا ذکر محبّت کا اگر دل نہ ملا ہو

میں نے کبھی اُن سے کسی کی بُرائی آج تک نہیں سُنی۔ نہ کسی کے طرف سے اُن کے ابرو پر شکن دیکھی بلکہ اُن کی ذات کو صلح و آشتی کی ایک مثال پایا جو عدیم المثال ہے۔ یہ شعر اُن کا ملاحظہ ہو ؎

یہ کہد و نکتہ چیں سے نکتہ چینی کرنے سے پہلے ذرا مُنہ ڈال کر دیکھے تو خود اپنے گریباں میں

خوش چاہو اگر رکھنا کسی کو تو سہو رنج شکوہ ہو شکایت ہو کسی سے نہ گلا ہو

وہ دُنیا کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔ عقبیٰ کو اصلی منزل جانتے ہیں۔ وہ

خلق خدا کی خدمت کو عین عبادت جانتے ہیں ان کا شعر ملاحظہ ہو ؎

دل و جاں سے خدمت جو مخلوق کی ہو　　　　تو خالق کی کیا یہ عبادت نہیں ہے؟

اُن کے یہاں امیر و غریب کا فرق نہیں۔ اُن کی زندگی پاک ہے اور اُنکا محبوب وہی ہے جس نے محبّت کو پیدا کیا اس لیے اُن کے کلام میں نفس پرستی اور ہوسناکی کا شایبہ بھی نہیں ملتا وہ فرائض انسانی کو ادا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور رہبانیت کے قائل نہیں ہیں۔ ان کو نفاق سے جبلّی نفرت ہے۔ وہ دل کو خانۂ خدا جانتے ہیں اور راضی برضا ہونا اُن کا ایمان ہے۔ وہ دولت کا صحیح مصرف خیرات اور فیض رسانی سمجھتے ہیں اور جمع رکھنے کو بُرا جانتے ہیں۔ وہ تقدیر کو مانتے ہیں لیکن ساتھ ہی ساتھ عقل اور تدبیر کو کام میں لانے کو واجب جانتے ہیں۔ جہاں خدا کے بیشمار اقسام کے مخلوقات ہیں وہ انسان کا انسانی جامہ میں پیدا ہونے کو خدا کی بڑی مہربانی جس کا ہر آئنہ سپاس لازم ہے خیال کرتے ہیں اور مسئلہ آواگون کے مطابق انسان کو توجہ دلاتے ہیں کہ وہ اس تشکّر میں ایسے اعمال کرے کہ وہ دوسرے جنم میں اشرف المخلوقات کا شرف حاصل کرنے سے بھی نہ رہ جاوے۔ فرماتے ہیں ؎

زحمتِ انسانی ملا ہے شکر اس کا کیجئے آج کی پروا غلط ہے فکرِ فردا کیجئے

ایک مقطع ملاحظہ ہو ؎

عقبیٰ ہی کی دُھن آٹھ پہر رہتی ہے گلشن

صد شکر کہ دل مائلِ دُنیا تو نہیں ہے

وہ کسی کے ساتھ بُرائی حتیٰ کہ دُشمن کے ساتھ بھی بُرائی پسند نہیں کرتے ۔ شعر ملاحظہ ہو ؎

دوست کے ساتھ بُرائی کا بھلا ذکر ہے کیا ہم سے اغیار کی بھی خاک اُڑائی نہ گئی

اور صبر جمیل ہی کا سبق نہیں بلکہ یہ سکھلاتے ہیں کہ اگر کسی سے ہم کو صدمہ پہونچے اور ہم مسکرا کر خاموش رہیں تو یہ بھی ایک روحانی ریاضت ہے ؎

بُرا نہ مان کسی کے کہے سُنے کا کبھی رُلائے بھی تجھے کوئی تو مسکرائے جا

ایک جگہ پند و نصیحت میں فرماتے ہیں کہ مَرے ہوئے کی بُرائی پر خاک ڈال دینی چاہیئے اور صرف اُس کی بھلائی یاد رکھنی چاہیئے ؎

بھلا تھا یا بُرا دُنیا سے اب تم جانے والے کی

بھلائی یاد رکھنا اور بُرائی کو بھلا دینا

صداقت اور راستی کے موضوع پر ملاحظہ کیجئے ؎

چو سچے تھے وہ سچ ہی بولے تلواروں کے سایہ میں
نہ پروا جان کی بھی کی صداقت ایسی ہوتی ہے

عزّت اسی میں ہے کہ آدمی کے قول میں پختگی پائی جائے ۔ ملاحظہ ہو ؎

قائم رہو قول پر تم اپنے　　سر جائے نہ اپنی بات جائے
دُنیا میں عزیز تر ہے یہ چیز　　عزّت پہ نہ اپنے حرف آئے

آن والے بات پہ اپنی دیا کرتے ہیں جان
پختگی رکھتا ہے کیسی 'قولِ مرداں' دیکھئے

ایک جگہ کیا خوب فرمایا ہے کہ اگر آدمی اپنی عزّت وآبرو چاہتا ہے تو اُس کو دوسروں کی عزّت وآبرو کا لحاظ رکھنا چاہیئے ؎

بچاؤ عزّت کو اپنی اوروں کی آبرو کا لحاظ کرکے　　جہاں میں جینا نہیں وہ جینا رہے جو کوئی حقیر ہوکر

اللہ کی مصلحت اللہ ہی جانتا ہے اور اللہ جو کچھ کرتا ہے اچھا کرتا ہے ۔ انسان کی کم فہمی ہے اگر راضی برضا نہیں ہے ؎

اپنی کم فہمی سے گلشن چاہے جو سمجھے کوئی　　قادرِ مطلق نے لیکن جو کیا اچھا کیا

محبت میں رضائے دوست اپنا فرضِ اوّل ہے

خوشی ہے آپ کی جس میں اُسی میں ہے خوشی میری

صبر اور شکر کر دخوش رہو جس حال میں ہو　　　اس کو ہر درد کی دُنیا میں دوا کہتے ہیں

اپنے بساط کے موافق چاہے وہ کتنی ہی کم ہو مصیبت میں سب کی مدد کرنا چاہیئے کیونکہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوا کرتا ہے۔ اس نصیحت کو کس خوبی سے نظم کیا ہے ؎

مصیبت میں کام آنا نیرؔ کسی کے　　　ہے تنکے کا اک ڈوبتے کو سہارا

انسان دُنیا کے فریب زندگی میں ایسا پڑا رہتا ہے گویا ہمیشہ اُس کو رہنا ہے فرماتے ہیں ؎　مکانِ عنصری ہم کو ملا تھا عارضی لیکن

ہمیشہ کے لیے ہم نے اُسی کو اپنا گھر جانا

پھر اس انسان کی حالت پر افسوس آتا ہے جو جانتے بوجھتے عقل و ادراک کی بینائی کے باوجود دُنیا کی اُلجھنوں میں پھنس کر اپنے سر بلائیں مول لیتا ہے۔ تمثیل کی موزونیت دیکھیئے ؎

مگس کی طرح پھنسا دامِ عنکبوت میں ہوں　　　خود اپنے ہاتھ سے ہونا تھا بے قرار مجھے

حسد کی بُرائی کے متعلق یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

تقدیر میں ایسوں کے کہاں ہوتی ہے راحت ‏ ‏ ‏ ‏ حاسد سے کہو آگ میں خود اپنی جلا کر

مشکل اور آسان بے معنی الفاظ ہیں صرف ہمّت چاہیئے ؎

سمجھ کا پھیر یا ہمّت کی کوتاہی ہے سب، ورنہ
نہ کچھ مشکل ہے مشکل میں نہ آسانی ہے آساں میں

جو گیانی نفوس ہوتے ہیں وہی دُنیا کی رہنمائی کی قابلیت رکھتے ہیں ؎

نظر میں ہوتی ہے اہلِ کمال کے تاثیر ‏ ‏ ‏ ‏ زمانہ دیکھتا ہے وہ جدھر کو دیکھتے ہیں

تصویر کے دو رُخ ہوا کرتے ہیں ؎

ایک رُخ جس کا نگاہوں کے لیے تھا خوش رنگ
دوسرے رُخ سے وہ تصویر دکھائی نہ گئی

علم کی ترغیب یوں دیتے ہیں ؎

اُڑے گا کیا جہالت کے پروں سے ‏ ‏ ‏ ‏ ”کہ عنقا را بلند است آشیانہ“

بادشاہ اپنی خواہشات کا غلام ہے اور درویش اپنے دل کا بادشاہ ؎

مالک یہ دل کا اور وہ دل کا غلام ہے ‏ ‏ ‏ ‏ کتنا ہے فرق دیکھئے درویش و شاہ میں

۳۳۵

دل کے متعلق بہت نادر اشعار گلشن صاحب کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ سچ ہے 'ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد' ملاحظہ ہوں ؎

تیری محفل سے جو اُٹھوں بھی تو جانا ہے محال
دردِ دل موجود ہے اُٹھ کر بٹھانے کے لیے

دل جلوہ گاہِ حق ہے دل خانۂ خدا ہے
جو گوشِ دل میں آئے بر حق وہی صدا ہے

قابو میں ایسے دل کے آنا نہیں مناسب
جس پر عدول حکمی کا داغ لگ چکا ہے

دل پہ قابو نہ اگر ہو تو یہ ممکن ہی نہیں
رہ سکے بن کے یہاں صاحبِ ایماں کوئی

کون سُنتا ہے زمانے میں سُنائیں کس کو
دل کی آواز سمجھ لینے کو درکار ہے دل

کسی صورت کسی پہلو سکوں ملتا نہیں دل کو
ہمیشہ رکھتی ہے بیتاب اُلفت ایسی ہوتی ہے

اپنا سمجھے تھے جسے ہم وہ رہا غیر مدام
نہ ملا دل کسی صورت سے جُدائی نہ گئی

کسی پر جائے گا کیا کوئی سکّہ
جب اپنے ہی دل پر حکومت نہیں ہے

محبّت کا مجھ کو اثر دیکھنا ہے
کہ دل میں ترے اپنا گھر دیکھنا ہے

خواہشیں سب ہو چکیں پوری محبّت میں مگر
ایک حسرت دید کی دل میں لیے جاتا ہوں میں

اُلفت سے دل کو ہوتی ہے اُلفت جہان میں
لائیں اگر نہ رنگ یہ خودداریاں کبھی

دل کی اِک اِک آرزو میرے لیے اِک دام ہے
دل پہ ہو جائے اگر قابو تو مَیں آزاد ہوں

جب دل میں اور زباں میں کوئی ربط ہی نہیں — بے کار حوصلے میرے آہ و فغاں کے ہیں

یہ دل وہ دل ہے کہ ہیں جس میں عرش کے جلوے
اس آئینے میں ہم آئینہ گر کو دیکھتے ہیں

درحقیقت ہے حقیقت سے وہی دل آگاہ — رہ کے دُنیا میں جو دُنیا سے سُبکدوش رہے

ایک جلوہ تھا کہ تھا دیدۂ دل میں پنہاں — اک تماشا تھا مگر بر سرِ بازار نہ تھا

آئنہ جس وقت دل کا باصفا ہو جائے گا — عکسِ وحدت آپ اُس میں رُونما ہو جائے گا

انساں کو دل کی چاہئے اس طرح پرورش — سر پر پڑیں تو جھیل سکے سختیاں کبھی

شبیرؔ جہاں سے سیر نہ ہو دل تو کیا کرے — دیکھا ہے اُس نے جلوۂ دیدارِ یار کو

جب دل ہوا اُداس تو دُنیا اُداس ہے — ابر و بہار و مُطرب و مینا و جام کیا

راز دل کا بتا کے دیکھ لیا — دل کے کہنے میں آ کے دیکھ لیا

پردہ اِک اِک ہٹا کے دیکھ لیا — اُن کو دل میں بٹھا کے دیکھ لیا

نہ پوچھو تم اُس دل کی اب مجھ سے حالت — بگڑتا ہے بن کر جو قسمت کا مارا

دل کی دل ہی میں لے گئے جو گئے — کس نے کارِ جہاں تمام کیا

ہم کبھی حوصلۂ دل سے مقابل نہ ہوئے — شبیرؔ سویا ہوا تھا اس کو جگایا نہ گیا

محشر بپا ہو، شق ہو زمیں، آسماں ہلے — ایسا اثر ہے درد بھرے دل کی آہ میں

جس میں سوزِ غمِ اُلفت کا اثر بھی کچھ ہو — دل کو اُس شمع کا پروانہ بنایا ہوتا

جِلا آئینے کی کرتی ہے روشن عکسِ جاناں کو — صفائی دل پہ غالب ہو تو پردا ہو نہیں سکتا

طلب مطلوب کی طالب کو ہونی چاہئے دل سے — بنے جس کا نہ سودائی وہ سودا ہو نہیں سکتا

کرو آئینۂ دل اپنا روشن نورِ عرفاں سے — جو شیدائے حقیقت ہیں یہی اُن کی دِوالی ہے

جو ہے بے درد اُس کو کیا کسی کے درد کی پروا — دلِ پُر درد ہی سے درد کا مرہم نکلتا ہے

دل مثلِ آئنہ ہے مصفّا تو یہ بھی دیکھ — آوازِ غیب اپنے ہی دل کی صدا نہ ہو

جیسی گزر رہی ہے اُسے جانتا ہوں میں — کیا پوچھتے ہو حالتِ دل بار بار آج

خدا کی دی ہوئی بے انتہا نعمتوں کا مضمون کیا خوب باندھا ہے ؎

اپنے لئے جو چاہی تھی عزّت خدا نے دی — لیکن ہم اپنی آپ ہی عزّت نہ کرسکے

بخشش تھی اُس کی اتنی کہ مجبور ہو کے ہم — اندازۂ نوازش و نعمت نہ کرسکے

پُرانے دستور اور اصول میں تبدیلی کو گلشنؔ صاحب پسند نہیں کرتے۔ دستور سے مُراد رسم و رواج سے نہیں بلکہ مسلکِ سالکین اور طریقتِ صالحین سے ہے جس سے ہم کو خدا کا قرب حاصل ہوتا ہے فرماتے ہیں عجیب سبق آموز شعر ہے ؎

لکیر کا اگر کوئی زمانہ میں فقیر ہے مجاز میں حقیر ہے حقیقتاً بصیر ہے

ایک دوسرے شعر میں اس کے ثبوت میں جو بہترین مثال ہو سکتی تھی بڑی وضاحت اور فصاحت کے ساتھ پیش کرتے ہیں ؎

دیکھو کس طرح نظامِ قدرت ایک صورت سے چلا جاتا ہے

انسان کی آنکھوں پر جو پردۂ غفلت پڑ جاتا ہے کہ وہ کسی کو بجز اپنے آپ کے شمار میں نہیں لاتا اور انقلابِ زمانہ کی اس کو خبر نہیں رہتی اس مضمون کو کس سادگی اور لطافت سے ادا فرمایا ہے ؎

ہیں ہم ایسے محوِ غفلت کچھ خبر ہم کو نہیں کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے، اور کیا ہو جائے گا

انسان کے ناقص البنیان ہونے کے متعلق یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

کسی نے بھی نہ کی تکمیلِ درسِ عشق اے گلشن

یہی دستور اب تک چل رہا ہے اس دبستاں کا

وہ رہبانیت کے قائل نہیں ہیں فرماتے ہیں ؎

رہے محوِ خیالِ ذاتِ باری یہ تو لازم ہے

مگر دُنیا کا بھی تو کام ہے اک فرض انساں کا

تقدیر اور تدبیر کے بارے میں کیا خوب فرماتے ہیں ؎

جو ہونے کو ہے ہو کے رہے گا وہ مقرّر ہو جائیں اگر چرخ و زمیں زیر و زبر بھی

تقدیر جب بُری ہو تو تدبیر کیا کرے کوئی کبھی نہ روک سکا ہونہار کو

ہونہار کا قافیہ گلشن صاحب ہی کا حصہ ہے اور خاص طور پر قابل ہزار تحسین ہے

نہیں مشکل کسی دشوار کا آساں ہونا چاہیئے ہاتھ میں تدبیر کا داماں ہونا

کھیلتی تھی سرِ راون پہ قضا لنکا میں اصل مقصد تھا یہی رام کے بن جانے کا

اگر انساں کی کوئی کارگر تدبیر ہو جاوے

موافق کیا عجب بگڑی ہوئی تقدیر ہو جاے

مُنکسر مزاجی ایک اعلیٰ صفت ہے۔ فرماتے ہیں ؎

ثمر کی مل سکی نعمت نہ سرو سر کشیدہ کو زمیں کی سمت جُھکتی ہے لدی پھل سے جو ڈالی ہے

گلشن سے ہو تقصیر اگر کوئی کرو عفو

خُردوں سے خطا اور بزرگوں سے عطا ہے

انسانی زندگی اور دُنیا کی حالت پر جو اشعار ہیں وہ قابل توجہ ہیں ؎

جہاں میں زیست مثالِ سراب ہوتی ہے بنائے ہستیِ انساں حباب ہوتی ہے

جو بھی ہے اس جہاں میں پیشِ نظر — رنگ ہے اپنی ہی طبیعت کا

"اَلاِنسانُ یَقِیسُ عَلٰی نَفسِہٖ"

موقوف ہیں نگاہ پہ گلشن حقیقتیں — دامانِ دشت دامنِ مادر سے کم نہیں

منحصر ہے چند سانسوں پر حیاتِ بے مدار — کچھ نہیں بنیاد جس کی میں وہ بے بنیاد ہوں

کام دُنیا کے کبھی ختم کسی سے نہ ہوئے — یہ غلط ہے کہ ہے دُنیا کو ضرورت میری

رہے نام اللہ کا!

کیوں کرتے نہیں توشہ فراہم کہ رہے ساتھ

اک روز جہاں سے نہیں کرنا ہے سفر بھی

کچھ نہ پایا سوا ندامت کے — لُطفِ دُنیا اُٹھا کے دیکھ لیا

غیر کے وہ رنج کو محسوس کر سکتا تھا کب — جو فقط اپنے لیے دُنیا میں راحت کوش تھا

آسماں کی کیا غضب ہیں تفرقہ پردازیاں — کل جسے کہتے تھے اپنا ہے وہی بیگانہ آج

جب ہاتھ دھو کے بیٹھے ہیں دُنیا میں دیں سے ہم — ہیں تو سہی جہاں میں مگر ہیں نہیں سے ہم

زندگی بات ہے دو دن کی اسے ہنس کے گزار — بات گلشن بھی سب شاہ و گدا کہتے ہیں

منزلِ گہہِ حیات میں زحمت کشانِ راہ — آتے ہیں لین دین کا ساماں لیے ہوئے

امتحاں کوئی نہیں باقی رہا　　آفتیں جتنی تھیں آنی آ گئیں

آنے کی اک تھکن ہے جانے کی اک مہم ہے　　دم لے تو کیا مسافر مہمان سرائے تن میں

کر لو تم آج سب کچھ کل کی کسے خبر ہے　　کیا گل کھلیں زمیں پر کیا رنگ آسماں ہو

دُنیا سے بھاگنے والوں کا پیچھا نہیں چھوڑتی یہ دُنیا

مانند کنول کے پھولوں کے پانی میں رہنا پڑتا ہے

تکلیف اُٹھانے والے کو راحت کی خاک نہیں پروا

آرام کے طالب کو لیکن دُکھ درد بھی سہنا پڑتا ہے

جو ہاتھ اور پانو نہ مار سکے وہ پار کبھی نہیں جا سکتا

بہتے ہوئے پانی کی رَو میں دریا میں بہنا پڑتا ہے

اندھے کے لیے دُنیا اک عیش کا ساماں ہے　　بینا کے لیے عالم تصویر ہے عبرت کی

جو ہے یار زندہ تو صحبت ہے باقی　　پریشاں نہ گلشنؔ رہو تم خدارا

حضرتِ گلشنؔ کے کلام میں معرفت اور عشقِ حقیقی اور اس کے نازک ترین جذبات کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے ہیں۔ اشعار کی نفاست اور خیالات کی گہرائی اُن کے سچے جذبہ کی ترجمان ہے۔ مثلاً

مشتے نمونہ از خروارے، اشعارِ ذیل پیش کیے جاتے ہیں ؎

کیوں الگ تجھ سے رہے چاہنے والا تیرا
ایک ہی رنگ ہو جس میں نہ ہو میرا تیرا

آنکھ ظاہر کی بھلا دیکھ سکے گی کیوں کر
جذبۂ شوق مرا جلوۂ زیبا تیرا

چھپتے نہیں چھپائے سے آثارِ بیخودی
رُخ پر اثر عیاں ترے شوقِ نہاں کے ہیں

مجھکو رہتا نہ بجز تیرے کسی کا احساس
ماسوا سے مجھے بیگانہ بنایا ہوتا

عشق سے زندہ جہاں میں عاشقوں کا نام ہے
آہ بے دردوں نے لیکن اُس کو بھی رُسوا کیا

عاشقوں نے جہاں میں کام کیا
بعد مرنے کے اپنا نام کیا

یہیں سے جلوۂ معنی نظر آ جائے گا تمکو
حریم کعبہ جب دل ہے تو کیسا در بدر جانا

کر چکے برسوں طوافِ کعبہ و بت خانہ ہم
دل بھٹکتا ہی پھرا حق سے رہے بیگانہ ہم

ظاہر ہے جب کہ باغِ جہاں کو بقا نہیں
اس گُل کو کر تلاش کہ جس کو فنا نہیں

نگاہِ ناز میں اُس کے عجب پنہاں کرشمے ہیں
رُکے تو مرہم دل ہے چلے تو تیر ہو جائے

ایک ہی نقطہ خدا سے مجھے رکھتا ہے جُدا
ورنہ منصور سے کم ہوتی نہ قسمت میری

'خدا' اور 'جُدا' کی صنعت بھی داد طلب ہے۔

ہیں جو آزادِ جنوں روکے سے رُک سکتے نہیں
ہم بھی دیکھیں ہیں کہاں تک بندشیں زنجیر کی

درحقیقت ہے حقیقت سے وہی دل آگاہ   رہ کے دُنیا میں جو دُنیا سے سُبکدوش رہے

بے ہمہ اور با ہمہ کا کتنا خوبصورت مضمون ہے۔

رزّاق کہیں کیوں نہ اُسی خالقِ کُل کو   ممکن نہیں انسان سے اک دانہ بنادے

دریائے عشق میں ہے ہر موج ایک طوفاں   بچ کر نہ کوئی نکلا اِس بحرِ بیکراں سے

بہارِ عیش کا انجام آخر غم پہ ہوتا ہے   یہی مُرجھا کے گُل کہتا ہے بُلبل سے گُلستاں کا

ہر قطرہ میں پنہاں ہے جو اک موجِ بلاخیز   ان آنکھوں میں سرچشمۂ دریا تو نہیں ہے

جو راز سے واقف ہیں کچھ مُنہ سے نہیں کہتے   رہتے ہیں خبر پاکر خاموش حقیقت کی

وحدت میں نظر آیا کثرت کا کبھی جلوہ   کثرت میں نظر آئی صورت کبھی وحدت کی

گنجینہ حق کے راز کا ہے قفلِ دل سے بند   ملتا کلیدِ عشق سے ہے رازدار کو

قدرت کا راز جان کے انجان بن کے رہ   واجب نہیں ہے پردہ دری پردہ دار کو

محویت اور تصوّر کا یہ گلشنؔ ہے اثر   مجمعِ عام میں بھی عالمِ تنہائی ہے

گلشنؔ صاحب کے دیوان میں وہ تغزّل جو نفس پرستی سے تعلق رکھتا ہو نہیں پایا جاتا۔ ان کا نفس اس سے بہت بالاتر ہے۔ مگر باوجود اس کے اُن کے اشعار میں ایک شیرینی اور لطافت ہے۔ یہ کہنا بالکل غلط ہوگا کہ اُن کا کلام گھرے تغزّل

اور شوخی سے بالکل مُعرّا ہے لیکن ایسے موقعوں پر بھی وہ حقیقت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اس شعر کی شوخی ملاحظہ کیجئے ؎

وہ سُنتے نہیں اور ہیں اُنکی سی نہیں کہتا　　کچھ مجھکو شکایت ہے کچھ اُنکو شکایت ہے

اس شعر میں سراپا شوخی بھری ہوئی ہے مگر مصنّف کی اندازِ طبیعت کا آئینہ ہے یعنی یہ کہ وہ محبّت میں بھی خوشامد کو پسند نہیں کرتے یا ایک دوسرا شعر ہے ؎

کیا قیامت ہے گُنہ لازم و نیکی برباد
اس خطا پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

اس کے تغزّل کی گہرائی کی تعریف نہیں ہوسکتی اور محاورے کی بندش قابلِ داد ہے۔ اُن کا کلام پختہ۔ رعایتِ لفظی اور معنوی سے مملو اور سادگیِ زبان کے اعتبار سے نہایت دل پسند ہوتا ہے۔ وہ ایک کُہنہ مشق شاعر ہیں اور اپنا فرض بحیثیت شاعر ہونے کے اپنے دل کی ترجمانی کو جانتے ہیں۔ روحانیت اُن کے خمیر میں ہے اور وہ اسی رنگ میں ڈوبے رہتے ہیں۔ ایک پوری غزل مثالاً نقل کی جاتی ہے جس سے ان کی روحانیت کا ذوق اور عشقِ حقیقی کی محویّت کا پتا چلتا ہے ؎

غزل

اے بُلبلِ خوش لہجہ وہ نغمہ سُنا مجھکو
ہر زمزمے پر جس کے ہو کیفیت سوا مجھکو

اے دل رہِ اُلفت کے آداب سکھا مجھکو
اس قیدِ تعیّن سے آزاد بنا مجھکو

تدبیر بہت کر لی تقدیر نہیں بدلی
جس سے کہ بنے بگڑی وہ راز بتا مجھکو

جب دیکھ رہا ہوں میں اپنے میں تجھے ہر دم
تو دیکھ رہا ہے کیوں اپنے سے جُدا مجھکو

تُو دل میں سمایا ہے تُو آنکھوں میں چھایا ہے
کیا کوئی نظر آئے پھر تیرے سوا مجھکو

تُو مجھ کو نظر آئے میں تجھ کو نظر آؤں
اے مظہرِ کُل ایسا آئینہ دکھا مجھکو

اس بھول بھلیاں میں کس کو ہے خبر کس کی
مَیں آپ ہی خود گُم ہوں پھر کس کا پتا مجھکو

نَیرنگیٔ عالم کو میں خوب سمجھتا ہوں
یہ دارِ فنا اے دل ہے مُلکِ بقا مجھکو

اے جلوۂ یک رنگی یہ رنگِ دوئی کیسا
بَن میرے دل و جاں کا یا اپنا بنا مجھکو

یہ دل ہی گلستاں ہے یہ دل ہی بیاباں ہے
اس اُجڑے ہوئے گھر سے کیا کیا نہ ملا مجھکو

اے عشق مجھے لے چل تُو عالمِ بالا میں
اب راس نہیں آتی دُنیا کی ہوا مجھکو

کیا رنگِ تغزّل ہے کیا حُسنِ معانی ہے
گلُشنؔ نہ ملا تم سا شاعر بخدا مجھکو

زمانۂ حال کی روش دیکھتے ہوئے وہ پند و نصیحت کرنے پر فطرتاً مجبور ہیں اور اس کا اُن کو احساس ہے۔ ان کی شاعری کا سب سے اہم مقصد سوتوں کو جگانا اور خوابِ غفلت سے بیدار کرنا ہے۔ اساتذۂ قدیم نے بڑی بڑی کتابیں نظم و نثر میں اخلاقیات پر لکھی ہیں جن کا پڑھنا آجکل دشوار ہے اور اس کے لیے وقت بھی مساعد نہیں ہے۔ اس لیے دیوان صاحب نے غزل کا پیرایہ پند و نصیحت کا اختیار کیا ہے جو مختصر ہے اور دلچسپ اور سعدؔی اور حافظؔ کی ڈالی ہوئی بُنیاد پر جو غزلیں گلشنؔ صاحب نے نسیدھے سادے الفاظ سے تعمیر کی ہیں وہ بیشک قابلِ قدر ہیں۔ اساتذہ قدیم نے غزل میں پند و نصیحت کو جائز رکھا ہے۔ حافظؔ کی غزلوں میں بے شمار مثالیں موجود ہیں ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

آسائشِ دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است

با دوستاں تلطّف با دشمناں مدارا

بیاموزمت کیمیائے سعادت　　　ز ہم صحبتِ بد جُدائی جُدائی

سعدی کو لیجئے ؎

درکم ز خویشتن بحقارت نظر مکن — گر بہتری بمال بہ گوہر برابری

بارِ درختِ علم ندانم مگر عمل — با علم گر عمل نہ کنی شاخِ بے بری

مکن بچشمِ ارادت نگاہ در دُنیا

کہ پُشتِ مار بنقش است و زہرِ او قتّال

دل اے رفیق دریں کاروانسرائے مبند — کہ خانہ ساختن آئینِ کاروانی نیست

ز در گہِ کرمت روئے نا امیدی نیست

کجا رَوَد مگس از کارگاہِ حلوائی

دیوان صاحب کو پورا احساس ہے کہ اُن کے کلام میں ایک خاص مقصد ہے اور وہ عام خوشنودی کے لیے عام پسند یا عامیانہ اشعار نہیں کہتے۔ خود فرماتے ہیں ؎

کیا ذکرِ بلبل و گُل کیا فکرِ ساقی و مُل — تیری غزل کا گلشن عالم ہی کچھ نیا ہے

نغمۂ دل سوز سُننے کے لیے ترسیں گے کان — جب ہمارا سازِ ہستی بے صدا ہو جائے گا

ہر ایک شعر ہے گلشن ترا سبق آموز — جو بات کہتا ہے تُو لاجواب ہوتی ہے

یہ تو دانا کے لیے خاص سبق ہیں گلشن　　جی کے بہلانے کو ہرگز مرے اشعار نہیں

نہیں معلوم کس استاد کی بانکی ادا لی ہے　　جو گلشن یہ نئی طرزِ سخن تم نے نکالی ہے

نہ شاعر ہوں نہ مجھکو شاعری کا کوئی دعویٰ ہے

مگر پھر بھی ہے گلشن روح پرور شاعری میری

وہ اپنی شاعری کے مقصد سے کبھی سرِ مُو نہیں ہٹتے اور کئی اشعار میں اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ہر شخص کے سامنے زندگی کا ایک مقصد ہونا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں ۵

مقصودِ زندگی سے رہے ایسے بیخبر　　دشوارِیِ حیات کو آسان نہ کر سکے

مقصدِ زندگی نہ ہاتھ آیا　　صبح کو کیا سمجھ کے شام کیا

ذرا مقصدِ زندگی کو بھی سمجھو　　جہاں میں فقط عیش و عشرت نہیں ہے

جو نمونہ ہم نے دیوانِ گلشن سے انتخاب کر کے پیش کیے ہیں اُن سے پوری طور پر واضح ہو گیا ہوگا کہ اس کا طبع ہونا نہایت ضروری تھا۔ اس کے چھپ جانے سے ایک عالمِ باعمل کا پیغام ہندوستان کے چھوٹے بڑے۔ غریب امیر سب کو پہونچے گا اور وہ اُس سے دین و دُنیا کا سبق حاصل کر سکیں گے۔ اس دیوان کا تاریخی نام "باغِ نشاط" ہے۔ اس لیے کہ اس کے مضامین نشاطِ روحانی کا اثر

۱۳۶۳ھ

رکھتے ہیں اور مصنّف مدظلّہٗ کے وطن مالوف یعنی کشمیر کے 'نشاط باغ' سے بھی اسکی مناسبت ظاہر ہے۔ کلیات کے اوّل حصّہ کا تاریخی نام "نغمۂ بوستانِ رنگیں"
۱ ۴ ۴ ۹ ۱ ۶
رکھا ہے جس میں غزلیں ہیں اور سن عیسوی نکلتا ہے۔ اور دوسرے حصّہ کا تاریخی نام "باغِ خوشنما" ہے۔ اس میں متفرق نظمیں اور قصائد ہیں جن سے گلشن صاحب
ب ۲
کی قادر الکلامی کا مزید ثبوت ملتا ہے۔ "سخن" کے لفظ پر جو مختصر مضمون فرمایا ہے سؔ سے سرچشمہ۔ خؔ سے خیالات اور نؔ سے نفیسہ 'سرچشمۂ خیالاتِ نفیسہ' آپ کے جولانیِ طبع کی ایک عجیب مثال ہے۔ اپنے نظموں کی جو سرخیاں قرار دی ہیں وہ بھی نہایت موزوں اور رنگین واقع ہوئی ہیں۔ 'جلوۂ حق' کا ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

خزانہ ہوا اُن کو عقبیٰ کا حاصل   جو دُنیا کی دولت لُٹائے ہوئے ہیں

ایک نظم میں خود غرض اربابِ حل و عقدِ زمانہ سے یوں خطاب کیا ہے ؎

وہ دن کہاں کہ جب تھا ہندوستاں ہمارا   ہندوستاں کے ہم تھے ہندوستاں ہمارا
کیا ہو رہا ہے اس کی ہمکو خبر نہیں ہے   کس مُنہ سے کہہ رہے ہیں ہندوستاں ہمارا
باتیں ہیں سب زبانی دل پر اثر نہیں ہے   ہم ہی نہیں اب اُس کے تو وہ کہاں ہمارا

ہیں سب باتیں بناوٹ کی ہیں سب گھاتیں لگاوٹ کی

نہیں ہے تو جب اُس کا پھر ترا ہندوستاں کیوں ہو

پودے کو سینچ سینچ کے آبِ نفاق سے	کرتے ہو کیوں گلا کہ یہ پھولا پھلا نہیں

عصرِ حاضر کے رُجحانات پر یوں نظر ڈالتے ہیں ؎

پُرانی وضع کی جو ہے عمارت کتنی محکم ہے	ذرا اکر غور اس پر اے نئی بُنیاد کے بانی

ہوا ہے انقلاب ایسا کہ اب دُنیا ہے فانی ہیں	نہیں سُنتا کسی کی کوئی سب کرتے ہیں مَن مانی

ایک نظم میں جس کی سُرخی "سوز و سازِ زندگی" ہے فرماتے ہیں ؎

مر کے ملتی ہے حیاتِ جاوداں	موت پر ہے انحصارِ زندگی

اُلفتِ دُنیائے فانی تا بہ کے	تا بہ کے یہ کار و بارِ زندگی

سانس جو جاتی ہے پھر آتی نہیں	ہر نفس ہے یادگارِ زندگی

ناتوانی سے نہیں اُٹھتے قدم	ہے وبالِ دوش بارِ زندگی

نظم موسومہ "اقوالِ بزرگاں" کے یہ شعر کس قدر پُر لطف ہیں اور فارسی کے مصرعے بڑی خوبی سے چسپاں کیے گئے ہیں ؎

نہ چاہو کسی کے لئے تم بُرا	ہے سب کی بھلائی میں اپنا بھلا

لگاؤ نہ لالچ سے دُنیا میں جی　　　'طمع را سہ حرف است ہر سہ تہی'

جہاں میں اُٹھانا سرا چھا نہیں　　　'نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں'

گرے گا وہی دوڑ کر جو چلا　　　کہ نیچا رہا سر بڑے بول کا

اُس قصیدہ میں جو شری ودیا پیٹھ اٹاوہ کی افتتاحی تقریب میں پڑھا گیا دیوان صاحب نے اپنی ہندی قابلیت کا ثبوت دیا ہے۔ اسی طرح دوسرا قصیدہ شری سوامی برہمہ ناتھ جی کے شان میں ہے جس میں یہی خصوصیت ہے۔ غالباً موقعہ خاص پر چونکہ سُننے والوں کا مجمع زیادہ تر ہندی داں تھا اس رعایت سے الفاظ ہندی زیادتی کے ساتھ ضرورتاً صرف کیے گئے۔

ملکہ وکٹوریہ قیصر ہند کی وفات پر ایک نظم فارسی کی درج کلّیات ہے اس میں مادّہ تاریخ بھی ہے۔ اس نظم سے دیوان صاحب کی فارسی کی قادر الکلامی ظاہر ہوتی ہے۔

کنور آنند کمار جی کے ولایت سے واپسی پر جو قصیدہ 'فرخندہ پیام' فرمایا ہے اُس میں آپ نے پند و نصیحت کے بہت سے نازک اور ضروری پہلو پیش کئے ہیں ایک شعر ملاحظہ ہو؎

چاہیے صدق و صفا سے پیش آئیں سب کے ساتھ

دھرم۔کرم اور عزم سے ہرگز نہ اُٹھنے پائیں ہاتھ

عزم کے لفظی اور معنوی مناسبت اور ربط دو ہندی لفظوں کے ساتھ خوب ہے
قطعہ تاریخ میں مادّہ قابل تحسین ہے ؎

شوق کے ساتھ لکھا آنے کا گلشن نے یہ سال

دل شگفتہ ہوے آے کنور آنند کمار

۱۹۱۹ء

صنائع بدائع کے بے تکلف استعمال کی مثال ملاحظہ ہو ؎

مُنیشور ناتھ مرنے کا ترے تار — اچانک کیا ملا دل پر لگا تیر

سرتیج کی صحتیابی پر جو نظم ہے اُس میں انتہائی خلوص اور محبت کا پتہ چلتا ہے
کس سادگی مگر خلوص سے کہہ دیا ؎

یارب یہ ہمیشہ شاد رہیں — خوشحال رہیں آباد رہیں

ہم بھی اس دعا پر دل سے آمین! کہتے ہیں۔

'سوز و ساز' میں آپ کا دیباچہ نثر میں ہے۔جس سے نثر کی بے ساختگی۔
ہمہ گیری اور فصاحت کا پورا لطف ملتا ہے۔پرانے اور جدید طرز کا انداز

خالی از دلچسپی نہیں ہے۔ منظوم لکچر میں دلی جذبات کا سراسر اظہار ہے۔ اس شعر کی تعریف نہیں ہو سکتی ؎

جب قوم مٹے گی تو افراد سے کیا ہوگا

نادان بتا تو ہی کیا اس میں بھلا ہوگا

عورتوں کے فرائض میں شرم و حیا پر خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آجکل کی ہوا ایسے مضامین کے ناموافق ہے۔ جوانی کی شادیوں کے نتائج بھی اسی سلسلہ میں قابل ملاحظہ ہیں۔ جو اخلاقی فرض ایک بزرگ کا تھا وہ حضرت گلشن صاحب نے ادا کر دیا۔

'بر رسولاں بلاغ باشد وبس'

اس حصہ میں ایک نظم ہے جس کی سرخی ہے "فقیر کی صدا" ہم اس کے چند اشعار پر اس تبصرہ کو ختم کرتے ہیں اور ناظرین سے فیصلہ چاہتے ہیں کہ یہ نظم موتیوں میں تولنے کے لایق ہے یا نہیں؟ بحر کی موزونیت مضامین کی کثرت۔ ملائم الفاظ کے انتخاب کے لحاظ سے لایق ہزار تحسین ہے ملاحظہ ہو ؎

ابھی دم میں ہے دم۔ تجھے کا ہیکا غم　　　ترا دستِ کرم ۔ تری ٹالے بلا
آج کرلے تو پُن ۔ رہے اللہ کی دُھن　　　یہی تیرا ہو گُن ۔ نہ ہو سُن کر خفا
بابا پیسا نہ جوڑ ۔ اُٹھ تالے کو توڑ　　　مُنہ ہرگز نہ موڑ ۔ خود کھا اور کِھلا
یوں دے کے صدا ۔ چلا درسے گدا　　　ترا گلشن ہرا ۔ رہے پھولا پھلا

آخر میں اِس کُلیات کا خیر مقدم کرتے ہوئے میں دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کو وہ قبولیت دے جس کا یہ مستحق ہے ۔ یہ کلیات اُردو زبان میں ایک بیش بہا اضافہ ہے اور گلشن صاحب کی ایک غیر فانی یادگار۔ خدا مصنّف مدّظلّہٗ کو عمرِ نوح عطا کرے اور جلد ایک اور جِلد ایسے پُر مغز مضامین کی شایع ہو۔

تنقید

چکیدۂ قلم بلاغت رقم فضیلت مآب عالیجناب ڈاکٹر عبدالستار صدیقی

پروفیسر یونیورسٹی الہ آباد

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ شاعری میں غزل کی صنف نہایت تنگ داماں ہے، اور سوا حُسن اور عشق، وصل اور فراق کے پامال مضمونوں کے، اور مطالب کی اُس میں سمائی نہیں۔ کبھی تصوّف اور اخلاق کے کسی موضوع پر ایک آدھ شعر کہہ کر، گویا مُنہ کا مزا بدلنے کو، غزل میں داخل کر دیتے ہیں؛ مگر بھلا اخلاق اور تصوّف کے دُور رس مطالب کے لیے غزل کی پان سات بیتیں کیوں کر کام دیں گی۔

اِس خیال کو اِس زمانے میں جناب دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب "دھرم رتن"، متخلص بہ گلشنؔ، نے اپنے کلامِ فصاحت نظام سے، اگر غلط نہیں تو مبالغہ آمیز ضرور ثابت کر دیا ہے۔ جناب

دیوان صاحب کی ذاتِ والاصفات تعریف و توصیف سے مستغنی ہے، اِس لیے کہ وہ مجسم نیکی اور حُسنِ اخلاق ہیں۔ وہ اِنسان، جو سوا اِس آرزو کے کچھ آرزو نہ رکھتا ہو کہ اِس دُنیا کے بسنے والے ہر بُرائی سے توبہ کرکے نیکی ہی نیکی کیا کریں، فرشتہ نہیں تو اور کیا ہے؟ فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں:

سبق بھلائی کا لے دوسروں کی نیکی سے
بُرائیوں کو زمانے کی تو بھلائے جا

اِس میں اخلاق بھی ہے فلسفہ بھی، نصیحت بھی ہے مشورہ بھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت گلشنؔ مدّظلّہٗ کا کوئی مشورہ ایسا نہیں جس پہ خود اُن کا عمل ساری عمر نہ رہا ہو۔ اِس لیے اُن کا ہر شعر اور ہر مصرع حال ہے، محض قال نہیں جو اُن کے قلب پر گزرتی ہے دوسروں کے دلوں پر اُس کو واضح کر دیتے ہیں اور اُس کو ایسے لفظوں میں، ایسے انداز سے، کہتے ہیں کہ کبھی کسی دل پر بار نہیں۔ شعر کہنے والے تو بہت، پر ایسے کہنے والے کہاں؟

جناب دیوان صاحب نے جس طرح فنِّ اخلاق اور تزکیۂ نفس کی ورزش کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، اُسی طرح شعر و ادب کی خدمت کو اپنا واحد مشغلہ قرار دیا۔ اہلِ الٰہ آباد کے ذہن میں یہ آ ہی نہیں سکتا کہ شعر و سخن کی کوئی محفل بغیر حضرت گلشن کی توجّہ کے شہر بھر میں کہیں ہو بھی سکتی ہے۔ مشقِ سخن کوئی آدھی صدی سے جاری ہے۔ دیوان ترتیب دینے کا کبھی خیال بھی دل میں نہ لائے۔ احباب نے بار بار تقاضا کیا، ٹالتے رہے۔ مگر آخر کہاں تک؟ دل شکنی کسی کی اِن کے مذہب میں بہت بڑا گناہ؛ احباب کا حقِّ اُلفت بھلا کیوں کر نہ ادا کرتے؟ آخر مان گئے اور کُلّیات چھپ کر تیار ہو گیا کہ ہر خاص و عام آپ کے کلام سے لُطف اُٹھائے اور فیض پائے۔

کلامِ گلشن بھی ایک گلشن ہے کہ اُس میں رنگ رنگ کے پھول کِھلے ہیں۔ کوئی صنف شعر کی نہیں جو اِس کُلّیات میں نہیں۔ غزل ہے، قصیدہ ہے، قطعہ ہے، مثنوی ہے، رباعی ہے۔ اِتنا کچھ ہے کہ اُس کی تفصیل اِس مجمل میں ہو نہیں سکتی۔ شعر کی پسند ہر شخص کے

ذاتی ذوق کی بنا پر ہوتی ہے اور ذوق مختلف ہیں۔ مجھے جنابِ گلشن کے بہت شعر پسند آئے۔ مگر اُن سب کے نقل کرنے کا یہ محل نہیں۔ صرف چند لکھے جاتے ہیں:۔

صلہ نہ چاہ کسی سے تو اپنی خدمت کا — ہر اِک سلوک کو دریا میں تو بہائے جا

دل کو آئینۂ حیرت کے عوض اے گلشن
مظہرِ جلوۂ جانانہ بنایا ہوتا

سوا ہو دردِ دل، اے چارہ گر، ایسی دوا دینا
مَیں اپنے کو بُھلا دوں، ایسی حالت، اے خدا، دینا

راز دل کا بتا کے دیکھ لیا — دل کے کمنے میں آکے دیکھ لیا
دشمنوں کو ہنسا کے دیکھ لیا — دوستوں کو رُلا کے دیکھ لیا
دل کا در کھٹکھٹا کے دیکھ لیا — شیر سوتا جگا کے دیکھ لیا

نہیں مشکل کسی دشوار کا آساں ہونا — چاہیے ہاتھ میں تدبیر کا داماں ہونا
خود جو گمراہ ہے، کیوں کر ہو کسی کا رہبر — دیکھا اندھے کو نہ اندھے کا نگہباں ہونا

۳۵۹

جس میں نہ رہے بادۂ اُلفت کے سوا کچھ
اللہ! مرے دل کو وہ پیمانہ بنا دے
اِک طُرفہ تماشا ہے زمانے کا تلوّن
جب چاہے حقیقت کو یہ افسانہ بنا دے

آیا نظر کے سامنے، اوجھل بھی ہو گیا
ہم دیدِ حسنِ یار کا ساماں نہ کر سکے

تقریظ

رقم زدۂ شاعرِ ہمہ داں ناثرِ اعجاز بیاں عالیجناب پنڈت تربھون ناتھ آغا

متخلص بہ آغاؔ ایڈوکیٹ الہ آباد

تاجدارِ ادب، دھرم رتن، عالی جناب دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول صاحب متخلص بہ گلشنؔ کا مجموعۂ کلام آج ناظرین کے سامنے ہے۔ صاحبِ موصوف ایک عرصہ دراز سے شاعری کرتے ہیں۔ شاید اس کو پچاس سال کے لگ بھگ ہو گئے ہوں گے۔ مگر آپ نے اپنا دیوان چھپوانے کا ارادہ تک بھی کبھی نہیں کیا اور ہمیشہ احباب اور شائقینِ ادبِ اردو کے تقاضوں کو ٹالتے رہے۔ آخر کار سب لوگوں کی سعی اور کوشش کامیاب ہو گئی اور حضرتِ گلشنؔ اپنا دیوان شائع کرانے پر مجبوراً رضامند کئے گئے۔ آپ ہمارے اور قدردانانِ سخن کے خاص شکریہ کے مستحق ہیں۔

حضرتِ گلشنؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیت ان کا تصوف و فلسفہ ہے۔ آپ کے دیوان کو اگر جامِ جہاں نما کہا جائے تو بجا ہو گا کہ جس کو دیکھنے سے تمام

انسانی محسوسات کی شکلیں پیشِ نظر ہو جاتی ہیں۔ آپ نے زندگی کے حقایق اور دین و دنیا کے اہم اور پیچیدہ مسایل کو روزمرّہ کی زبان میں نہایت لطف اور بے تکلفی کے ساتھ نظم کیا ہے جو آپ ہی کا کام ہے۔ آپ کے سیدھے سادھے شعروں میں معانی کے دریا موجزن ہیں۔ آپ کا ہر شعر اہلِ ذوق کو دعوت دیتا ہے کہ آئیں اور اس علم کی بہتی ہوئی گنگا میں غوطہ زن ہو کر معرفت کے گوہرِ نایاب سے اپنے کو مالا مال کریں۔

حضرتِ گلشنؔ الفاظ کے انتخاب اور ترکیبوں کی ترتیب میں بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ بلاضرورت استعاروں اور تشبیہات کو استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور ہمیشہ ایسی اُلجھنوں سے گریز فرماتے ہیں۔ آپ لفظی نمائش کے دِل دادہ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا کلام نہایت سلیس اور سادہ ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آپ فطری شاعر ہیں، آپ کے سینہ میں دل اور دل میں درد ہے، اس لئے آپ کے کلام میں اتنا اثر ہے کہ سحر کا کام کرتا ہے خود ایک جگہ فرماتے ہیں۔

جب محبت کا اہتمام کیا ... درد ہی درد تھا یہ ہر پہلو

اگرچہ گلشن صاحب کا خاص رنگ صوفیانہ ہے مگر فطرتی جذبات سے آپ کا کلام خالی نہیں اور کس طرح ہو سکتا تھا۔ جیسا کہ آپ خود ایک جگہ کہہ گئے ہیں۔

دریائے عشق میں ہے ہر موج ایک طوفاں　　بچ کر نہ کوئی نکلا اس بحرِ بیکراں سے

چنانچہ آپ کے یہاں تغزل کے رنگ میں ڈوبے ہوئے بھی بہت سے اشعار ملیں گے اور بعض غزل کی غزل اسی رنگ میں کہہ گئے ہیں۔ کہیں کہیں طرزِ بیان میں بے تکلفی کے لہجہ کی جھلک بھی نظر آجاتی ہے۔ جیسے

دنیائے محبت کی عجب ریت ہے اُلٹی　　دل دُزد تو معشوق ہو عاشق کو سزا ہو

کیا بخشو گے کچھ جھوٹ کہے بات جو گلشن　　سچ بات کے کہہ دینے سے جب اتنے خفا ہو

عامیانہ شاعری سے آپ نے قطعاً پرہیز کیا ہے جس سے آپ کا کلام پاک وصاف ہے۔ چند اشعار آپ کے یہاں ایسے ہیں جنھیں شاید کوئی تصوّف کے رنگ میں سمجھے لیکن میں ان کو ان کی شاعری کے دَور میں ایک نیا انقلاب سمجھتا ہوں مثلاً یہ شعر ہے:۔

بیساختہ کانٹوں میں اُلجھ جاتا ہے دامن　　یہ جذبۂ سودا ہے، محبت کی سزا ہے

یہ وہ شئے ہے جو نہ روکنے سے رُک سکتی ہے اور نہ چھپانے سے چھپ سکتی ہے۔ چنانچہ آپ نے خود بھی اس بات کو مانا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

محبت چھپ نہیں سکتی چھپانے سے زمانے میں　　کلی جب باغ میں کھلتی ہے کیا خوشبو نہیں ہوتی

ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ نے اس رنگ میں کم کہا ہے اور اس کی وجہ بھی آپ ہی یوں دیتے ہیں:۔

عشق کی نیرنگیوں کا ذکر مُنہ سے کیا کروں　　دل پہ نقش اس کا بہ ہر ترکیب وعنواں دیکھئے

مگر جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے اور بہت خوب کہا ہے۔ طبیعت سے مجبور ہو کر بیساختہ کہہ گئے ہیں جس کی تائید خود آپ کے ایک شعر سے ہوتی ہے:۔

کیا کہوں کس سے کہوں مَیں کیا ہے عشق و عاشقی
اک حقیقت ہے وہ اکثر جس کو کہہ جاتا ہوں مَیں

یہی سبب ہے کہ آپ کے کلام میں وہ روانی ہے کہ معلوم ہوتا ہے آمد کا ایک دریا اُمڈا چلا آرہا ہے

کچھ لوگوں کا یہ قول ہے کہ غزل کا میدان تنگ ہے۔ غزل کے مضامین پامال اور الفاظ مخصوص ہوتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک باکمال شاعر

ہر جگہ فرسودہ مضامین میں بھی اپنے انداز بیان سے اک عجیب تازگی اور کیف پیدا کر سکتا ہے۔ حضرتِ گلشن کے سحر کار قلم نے اس رنگ میں بھی کیا کیا خوبیاں دکھائی ہیں۔ اپنے خاص طرز میں جس کو انھوں نے اپنا بنا لیا ہے فرماتے ہیں:۔

خونِ حسرت نہ کرو تم کو محبت کی قسم — دل میں آجاؤ مرے دل کی تمنا ہوکر
مجھکو آئینۂ حیرت ترے جلوے نے کیا — رہ گیا میں تری محفل میں تماشا ہوکر

جو جلوہ کہ پنہاں ہے مرے دیدۂ دل میں
وہ مثلِ تماشا سرِ بازار نہیں ہے

راز دل کا بتا کے دیکھ لیا — دل کے کہنے میں آکے دیکھ لیا

دُنیائے عاشقی میں ذرا بیش و کم نہیں — یاس و امید کی جو خلش ہے تو ہم نہیں

عجب نیرنگیاں دیکھیں جنونِ فتنہ ساماں میں
کبھی گھر میں بیاباں ہے کبھی گھر ہے بیاباں میں

اس سے لَو شمعِ محبت کی بجھائے نہ بجھی — محفلِ عشق میں گو نام ہے پروانے کا
کام تکمیلِ تصوّر کر گیا — بستیاں دل کو بسانی آگئیں

عالم میں حسن و عشق کا پھیلا وہ جال ہے — جس میں اسیر طائرِ وہم و خیال ہے

تیرا جمال تیری تجلی ترا فروغ — ہر دم مری نظر میں یہی دیکھ بھال ہے

رسوائے دہر کوچہ بہ کوچہ ہیں اہلِ دل — یہ بیخودیِ عشق کا اچھا مآل ہے

سوز و گداز جس سے مراد دل کی ایک لطیف درد آمیز کیفیت ہے آپکی غزلوں کا جزو اعظم ہے۔ مثال کی طور پر چند اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

جیسی گزر رہی ہے اسے جانتا ہوں میں

کیا پوچھتے ہو حالتِ دل بار بار آج

کوئی بھی آنکھ اُٹھا کے ادھر دیکھتا نہیں — ہم پھر رہے ہیں حالِ پریشاں لئے ہوئے

بشر کی زندگی میں ایک حالت سب سمجھتے ہیں

وہ ہوتی ہے جسے کہتے ہیں پیمانے کا بھر جانا

ایک رخ جسکا نگاہوں کے لئے تھا خوش رنگ — دوسرے رُخ سے وہ تصویر دکھائی نہ گئی

مصیبت دے تو دل بھی مجھکو لذت آشنا دینا

الٰہی مجھکو ذوقِ کیفِ ترکِ مدعا دینا

صبح ہونے سے ہی پہلے وہ جو رو کر بجھ گئی — خاک ہو کر شمع سے کیا کہہ گیا پروانہ آج

رنگِ جہاں بدل گیا گلشن بے خبر اُٹھو
بات ہی کچھ بہار کی اب نہ رہی بہار میں

کچھ نہیں ہوں ایک بھولے وقت کی میں یاد ہوں — پائمالِ جورِ گردوں خوگرِ اُفتاد ہوں
منحصر ہے چند سانسوں پر حیاتِ بے مدار — کچھ نہیں بنیاد جس کی میں وہ بے بنیاد ہوں
پھول بھی ہوں خار بھی گلشن بہ صورت ہے مری — کیا کہوں باغِ جہاں میں شاد یا ناشاد ہوں

آپ تقدیر کے بہت بڑے قایل ہیں اور اہلِ دُنیا کی توجہ بار بار اس کی طرف دلاتے رہتے ہیں۔

خدا کے حوالے کرو کام اپنا — مقدر کا لکھا اگر دیکھنا ہے

شکایت و شکوہ ہرگز آپ کا شیوہ نہیں۔ اگر کبھی آپ نے شکایت کی بھی تو دیکھیے وہ بھی کس انداز سے:۔

کیا میں ہی فقط لایقِ تعزیر و ستم ہوں — کیا کوئی سوا میرے گنہگار نہیں ہے

اور پھر:۔

بس ہمیں پر روز کرتا ہے فلک جور و ستم — کیا ہمیں دنیا میں ہیں اک آزمانے کے لئے

عاشق کے انتظار کی کیفیت کا نقشہ کیا خوب کھینچا ہے گویا آنکھوں کے

آگے ایک تصویر سی کھینچ جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

یہ اشتیاق یہ شوقِ لقا یہ بے تابی　　عجب نگاہ سے ہم رہ گذر کو دیکھتے ہیں

مَیں زیادہ اس مضمون کو طول دینا نہیں چاہتا۔ ہاں چند مزید گلہائے گلشن اپنے گلدستہ میں سے جس کو میں نے 'باغ نشاط' سے فراہم کیا ہے ناظرین والا تمکین کے تفنّنِ طبع کے لئے پیش کرتا ہوں جس سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ حضرتِ گلشن غزل کے رنگ میں بھی غزلیں کہتے ہیں اور بندشِ الفاظ کی نزاکت اور زبان کی سلاست سے بے ساختہ اپنے اشعار میں اک ترنّم پیدا کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:۔

جو بے پردہ کہیں وہ حسنِ عالم گیر ہو جائے　　تو حیرانی سے ہر اک ذرّہ اک تصویر ہو جائے

رہائی قیدِ الفت سے یہی ہمکو دلائے گی　　مزا آئے جو اُلفت کی کڑی زنجیر ہو جائے

نگاہِ ناز میں اس کی عجب پنہاں کرشمے ہیں　　رُکے تو مرہم دل ہے چلے تو تیر ہو جائے

نہیں معلوم کیا صورت ہو دنیائے محبت کی

مرے خوابِ پریشاں کی اگر تعبیر ہو جائے

اس طرح اس نے لے لیا اپنی پناہ میں　　بس شاد ہوں کہ ہوں تو کسی کی نگاہ میں

دامِ بلا نہ تھی غمِ الفت کی وہ رسن　　لوٹا عجیب لطف تھا یوسف نے چاہ میں

محشر بپا ہوا شق ہو زمیں آسماں ہلے　　ایسا اثر ہے درد بھرے دل کی آہ میں

افعالِ زشت و خوب کی جب ہے سزا جزا

توبہ کو دخل کیا ہے کسی کے گناہ میں

حامی ہو اگر مالکِ تقدیر ہمارا　　کچھ کر نہیں سکتا فلکِ پیر ہمارا

اب تو فلکِ پیر کے بھی دم پہ بنی ہے　　پہنچا ہے کہاں نالۂ شبگیر ہمارا

وہ بھی نہ بچا راہ نوردی کے اثر سے　　چکر میں رہا حلقۂ زنجیر ہمارا

اک نقشِ تحیر کے سوا کچھ نہ ملے گا

دیکھے کوئی آئینۂ تصویر ہمارا

اب کیا بتائیں محفلِ جاناں میں کیا ہوا　　آئے تھے شاد جاتے ہیں اندوہگیں سے ہم

درپردہ راہ بر وہ طریقِ عمل بتا　　بے پردہ جس سے مل سکیں پردہ نشیں سے ہم

اس آس میں کہ ہو گی کبھی مہر کی نظر　　بیٹھے ہیں لو لگائے ہوئے مہ جبیں سے ہم

جو کرم پہلے تھا رندوں پر وہ ساقی کیا ہوا　　کیوں تہی ہے جامِ الفت سے ترا میخانہ آج

آتشِ غم پھونک دے گی سب مری کشتِ امید　　آہ کیا ہو گا اگر ابرِ کرم برسا نہ آج

دل کو اس شوخ کا کاشانہ بنایا ہوتا — ورنہ بہتر تھا کہ ویرانہ بنایا ہوتا

خاکِ دل سے مری پیمانہ بنایا ہوتا — پھر اسے حاصلِ میخانہ بنایا ہوتا

جس میں سوزِ غمِ الفت کا اثر بھی کچھ ہو — دل کو اس شمع کا پروانہ بنایا ہوتا

ہر جگہ تیری محبت کے ہیں قصے لاکھوں — دفترِ عشق کو ایسا نہ بنایا ہوتا

دل کو آئینۂ حیرت کے عوض اے گلشنؔ
مظہرِ جلوۂ جانانہ بنایا ہوتا

جو ہے بے درد اس کو کیا کسی کے درد کی پروا
دلِ پُر درد ہی سے درد کا مرہم نکلتا ہے

کوئی مدہوش جا کر ساقیِ سرشار سے کہہ دے
کہ میرے جامِ خاکی ہی سے جامِ جم نکلتا ہے

دل سا رہبر ہے مگر بختِ نگوں کو کیا کروں — خضر مل جاتے ہیں رستے کا پتا ملتا نہیں

ایک دل وہ بھی نہیں اپنا کریں تو کیا کریں — آشنا بھی اب بہ شکلِ آشنا ملتا نہیں

واہ رے ذوقِ ہوس، اللہ رے رنگِ خودی
اب تو ساقی بیخودی میں کچھ مزا ملتا نہیں

شوق سے بیخودیِ ذوق ہم آغوش رہے
جستجو اس کی جو کرنی ہے تو کچھ ہوش رہے

بے نیازی میں بھی بیگانۂ اخلاص نہ بن
میں بھی بندہ ہوں ترا اتنا تجھے ہوش رہے

رہ کے میخانۂ دنیا میں کبھی پی نہ شراب
نہ رہے ہوش میں ہم اور نہ بے ہوش رہے

بحرِ رحمت سے اُٹھیں سینکڑوں طوفانِ کرم
کچھ دنوں قُلزمِ عصیاں میں اگر جوش رہے

جس نے چڑھ کر دار پر ہُشیار عالم کو کیا
اس حقیقت آشنا کا بارِ احساں دیکھئے

غمِ دُنیا ہو نہ فکرِ دلِ ناشاد رہے
مجھکو اے کاش بجز تیرے نہ کچھ یاد رہے

خواہ ناشاد رہے یا مرادِل شاد رہے
عشقِ دُنیا میں رہے حسنِ خداداد رہے

جو گزرنا تھا وہ گزرا جو تھا ہونا وہ ہوا
دمِ بخود اب تو ذرا نالۂ آزاد رہے

آنکھیں سو جائیں تو سو جائیں مگر ہنگامِ خواب
اک نہ اک حُسنِ تصور جاگتے دل میں رہے

نئی تدبیر سے جلوہ نما تاثیر دیکھیں گے
ہم آئینے میں دل ہی کے تری تصویر دیکھیں گے

اِدھر کھنچ آئیں گے خود یا وہ کھینچیں گے اُدھر ہم کو
ہم اپنے جذبِ دل کی ایک دن تاثیر دیکھیں گے

اگر تنتے ہیں ابروُ اُن کے کچھ پروا نہیں ہم کو
سرِ تسلیم خم کر دیں گے جب شمشیر دیکھیں گے

نکل کر ہم تو گلشن جا رہے ہیں کوے جاناں سے
دکھائے گی اب آگے جو ہمیں تقدیر دیکھیں گے

جو صاحبِ کمال اور نکتہ سنجانِ فہم ہیں آج 'باغِ نشاط' کی سیر دل کھول کر کریں اور گُلِ مرادسے اپنے اپنے دامانِ آرزو بھر لیں۔ یہ وہ گلشن ہے جو ہمیشہ ہرا بھرا، سرسبز و شاداب رہتا ہے اور جہاں کے تر و تازہ گُلہاے رنگا رنگ نگاہوں کے لئے باعثِ مسرّت اور روح و قلب کے لئے راحت بخش ہیں۔ اس گُلشن کی فضا خود پُکار پُکار کر کہہ رہی ہے :۔

اثر بُلبل کے نغموں کا نہیں مٹتا نہیں مٹتا
نہیں جاتی ہے گلشن کی گُل افشانی نہیں جاتی

نذرِ عقیدت

تقریظ منظوم

بر دیوان بلاغ نشاط مصنفہ عالیجناب معلّٰی القاب حضرت گلشن باقابہٗ

از رشحاتِ قلمِ بلاغت رقم عالی جناب سید محمد اختر علی متخلص بہ اختر ہاشمی میرٹھی

خلف عالی جناب قاضی عبدالکریم حیدرآوج صاحب مرحوم ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر

ممبر اعلیٰ اجلاس کامل ریاست بھوپال

بری ہے عیب سے سارا کلام گلشن کا
سند کے واسطے کافی ہے نام گلشن کا

زمین شعر پہ اترے ہیں عرش سے مضمون
اساتذہ میں ہے اونچا مقام گلشن کا

ہر ایک شعر ہے رازِ حیات کی تفسیر
ہے ترجمانِ حقیقت پیام گلشن کا

بھری ہوئی ہے مضامیں میں معرفت کی شراب
ہمیشہ دور میں رہتا ہے جام گلشن کا

حقایق اور معارف کا ایک دفتر ہے
شگفتہ کلامِ بلاغت نظام گلشن کا

ہے ناز لفظوں کی بندش پہ معنویت کو
بہار کرتی ہے خود احترام گلشن کا

ہر ایک مصرعۂ رنگیں ہے کیف سے لبریز
دلوں پہ ثبت ہے نقشِ دوام گلشن کا

پسند آئی ہے آب و ہوا جو سنگم کی
الٰہ آباد میں اب ہے قیام گلشن کا

یہ سالِ حال سنہ انیس سو چوالیس ہے ۱۹۴۴ء
چھپا ہے جس میں مبارک کلام گلشن کا

سدا بہار ہے اختر بہارِ باغِ نشاط
ہو کیوں نہ اس سے معطر مشام گلشن کا

"حدیثِ اخلاص"

اثرِ خامۂ جادو طراز مسند نشینِ کشورِ سخن رانی عالی جناب مولوی سید محمد ہادی
ہادیؔ مچھلی شہری۔ایڈوکیٹ الہ آباد

کس قدر پیارا ہے گلشنؔ کا کلام بے نظیر
دیکھ کر حیران ہے جس کو دیدۂ رنگیں طراز
شاعرانِ عصرِ حاضر سے جدا ہے ان کا رنگ
ان کے ہر مضموں کو حاصل ہے نرالا امتیاز
شعر اک اک ہے لطافت اور فصاحت سے بھرا
صاف ستھرے لفظ۔بندش چست مضموں جاں نواز
شاعری کے ساتھ ہے پند و نصائح کا بھی لطف
کیوں نہ ہو طبعِ رسا ان کی جہاں میں سرفراز

خدمتِ علم و ادب ہے ان کا اک شغلِ عزیز
صرفِ زر سے بھی ضرورت پر نہیں رہتے ہیں باز
اپنے ہم چشموں میں ہے خُلقِ مجسم ان کی ذات
سب سے ملتے ہیں نہیں رکھتے کسی سے احتراز
صاحبِ ثروت ہیں لیکن ہے فقیرانہ مزاج
ان سے پوشیدہ نہیں ہے معرفت کا کوئی راز
ان کی ہستی جوہرِ انسانیّت کی ہے دلیل
نیک سیرت خوبصورت دل میں رقّت اور گُداز
ہے غنیمت ان کا دم شعر و سخن کی بزم میں
کر دعا ہادیؔ کہ حاصل ہو اِنھیں عمرِ دراز

گلہائے رنگیں

چکیدۂ قلمِ سحر نگار رعالی جناب پنڈت جگموہن ناتھ رینہ متخلص بہ شوق
ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر شاہجہاں پور

رونقِ بزمِ سخن ہیں گلشنِ شیریں بیاں
آپ شیدائے سخن ہیں نکتہ سنج و نکتہ داں
روح پرور ہے شمیمِ غنچۂ 'باغِ نشاط'
اُس کے ہے ہر شعر میں کیفِ شرابِ ارغواں
آپ کے پند و نصائح میں بھی ہے اک لطفِ خاص
وہ سلاست ہے کہ جس پر ناز کرتی ہے زباں
یا الٰہی ہے دعائے شوقؔ باصدق و نیاز
تا ابد یوں ہی رہے یہ باغِ گلشن گل فشاں

"تحفۂ ناچیز"

چکیدۂ کلکِ جواہر سلک عالی جناب پنڈت تربھون ناتھ آغا متخلص بہ آغا
ایڈوکیٹ الہ آباد

عجیب شان سے گلشن میں ہے بہار آئی
کہ جس کے کیف کا ہر دل ہے دل سے شیدائی
نگاہ سیرِ چمن ذوق و شوق سے کر لے
گُلِ مُراد سے دامانِ آرزو بھر لے
دلوں کو بھاتی ہے باغِ نشاط کی جو فضا
ہے اس میں خطۂ کشمیر کا اثر پیدا
یہ وہ بہار ہے جس میں خزاں نہیں ممکن
میں وصف کرسکوں اس کے بیاں، نہیں ممکن

ہر ایک لفظ سے پیدا ہے معرفت کی شراب
جو اپنے رنگ میں یوں ہے آپ اپنا جواب

ہنر شناسوں میں اونچا مقامِ گلشنؔ ہے
نہ مٹ سکے جو، وہ زندہ کلامِ گلشنؔ ہے

خلوص و خلق و تواضع جو ان کا جوہر ہے
یہی سبب ہے کہ آج ان کا ذکر گھر گھر ہے

ہمیشہ پاس رہا ان کو وضع داری کا
مدام دل میں رہا رنگ استواری کا

کسی کے حق میں یہ کرتے نہیں کمی کوئی
ہر اک پہ چشمِ عنایت، ہر اِک سے ہمدردی

انھیں کی ذات سے گُل کا چراغ ہے روشن
انھیں کے فیض سے گُلشن کا نام ہے گُلشن

عجب نہیں ہے کہ کانٹا بھی پھول ہو جائے
حقیر تحفۂ آغاؔ قبول ہو جائے

"باغِ نشاط" میں "سرودِ قدسی"

از نتائجِ افکارِ گہربار عندلیبِ ریاضِ سخن عالی جناب سید محمد جعفر قدسی جائسی

حضرتِ گلشن بہارِ باغِ علم — مثلِ حالی[1] آبیارِ باغِ علم
صورتِ چکبست[2] دل میں دردِ قوم — جان سے پیاری انھیں ہر فردِ قوم
ظاہر و باطن میں ہو کیوں اختلاف — ان کا دل ہے صورتِ آئینہ صاف
خُلق ان کا خلق میں مشہور ہے — اس کا آوازہ قریب و دور ہے
دل کو غیروں کے جو اپنائے وہ خُلق — روح بھی جس سے مزہ پائے وہ خُلق
ان کی اُفتادِ طبیعت اور ہے — ان کی محرابِ عبادت اور ہے
ان کے مذہب میں دل آزاری حرام — ان کے مشرب میں دل آویزی کا جام
ساقیِ صہبائے محبوبی یہ ہیں — نام گلشن ہے گلِ خوبی یہ ہیں
ہر عمل ان کا سبق آموز ہے — ہر سخن دلکش ہے دل افروز ہے

---

[1] شمس العلما خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی مرحوم۔

[2] پنڈت برج نراین صاحب چکبست لکھنوی مرحوم۔

نیک نام و نیک نفس و نیک ذات
خوش بیان و خوش مزاج و خوش صفات

جوہرِ آئینۂ انسانیت
گوہرِ گنجینۂ انسانیت

بے مثال و بے نظیر و لاجواب
منتخب لوگوں میں فردِ انتخاب

ان کے دم سے رونقِ بزمِ سخن
جلوہ آرا مثلِ شمعِ انجمن

دُر فشانِ عقل و حکمت ان کی طبع
بحرِ مواج فصاحت ان کی طبع

ان کو آبِ گوہرِ معنی کہوں
یا کہ تابِ جوہرِ معنی کہوں

ان کے علمی کارنامے دیکھ کر
فیصلہ کر لیں گے خود اہلِ نظر

علم و دانش کی بچھا کر اک بساط
نام اس کا رکھ دیا 'باغِ نشاط'

تشنگانِ علم پر احساں کیا
انبساطِ روح کا ساماں کیا

بے خزاں ہے بے خزاں یہ لالہ زار
رہتی دنیا تک رہے اس کی بہار

بلبلِ شیراز[1] اس گلشن میں ہے
زمزمہ پرداز اس گلشن میں ہے

اس میں سعدی کی گلستاں[2] کا ہے رنگ
اس میں حافظ[3] سے غزل خواں کا ہے ڈھنگ

۱۔ بلبلِ شیراز یعنی شیخ سعدی شیرازیؒ۔
۲۔ شیخ سعدیؒ کی مشہور کتاب گلستاں۔
۳۔ لسان الغیب حافظ شیرازیؒ۔

دلفروز و جانفزا اس کی بہار صفحہ صفحہ اس کا گلشن درکنار

بند کرتا ہوں زباں توصیف سے کیونکہ مستغنی یہ ہے تعریف سے

مرحبا اے قدسیِ رنگیں بیاں بزم گلشن کو کیا جنت نشاں

ہر طرف رنگیں بیانی کی ہے دھوم

بے تکلف گُل فشانی کی ہے دھوم

۲۵

"حقیقتِ جذبات"

ریختۂ خامۂ مشکیں شمامہ عالی جناب پنڈت پرتھی ناتھ عرف صاحب

متخلص بہ شوقؔ

تمھارا گلشنِ عالی وقار کیا کہنا   سخنوروں کے ہو تم تاجدار کیا کہنا
تمھارے زورِ طبیعت کے فیض سے واللہ   ادب کی بزم ہے رشکِ بہار کیا کہنا

مُصوّرِ خط و خالِ نگار کیا کہنا   ہر ایک نکتہ میں معنی ہزار کیا کہنا
کلام پڑھ کے تمھارا یہ چاہتا ہے دل   کہے ہی جاؤں یہی بار بار کیا کہنا

بلا پئے ہوئے مستِ خمار کیا کہنا   بغیر بادہ چھوے بادہ خوار کیا کہنا
ترے عروسِ سخن کی ادائے ہوش رُبا   بنی ہے دشمنِ صبر و قرار کیا کہنا

اَنیسِ رحمتِ پروردگار کیا کہنا رہو جہاں میں سدا برقرار کیا کہنا
کلامِ خوب کا مجموعۂ فصیح و بلیغ عجیب شان کی ہے یادگار کیا کہنا

تمہارے اوجِ سخن کے نثار کیا کہنا فلک سے لائی وہ تارے اُتار کیا کہنا
صدائے شوق کی اُلفت کا بس صلہ ہے یہی سُنے وہ کہتے تمھیں واہ یار کیا کہنا

"تقریظِ منظوم"

واہ کیا فکرِ رسا لے آئی تارے توڑ کر ماہ و انجم میں وہ پہنچی دل کی دُنیا چھوڑ کر
تنگیِ وسعت کے باعث جامِ مضموں پھوڑ کر کھینچ لائی نقشۂ رنگِ وفا رُخ موڑ کر

توسنِ فکرِ رسا اک جست میں اک آن میں
توڑ کر قیدِ تعین آ گیا میدان میں

کیا دُرِ مضموں پروے ہیں نئے انداز سے گیسوے روے سخن کیا کیا سنوارے ناز سے
سب ہوے واقف تری آشفتگی کے راز سے چھیڑے جو تو نے ترانے پردہ ہاے ساز سے

میرے دل پر آج تک تیرے ترانے نقش ہیں
وہ گُلِ مضموں کے سب رنگیں فسانے نقش ہیں

حُسن کی تصویر کھینچی تُو نے دل کش دلفریب — زیورِ الفاظ پہنا کر بنایا دیدہ زیب
جانتا ہے خوب تُو رازِ بلندی و نشیب — حُسنِ معنی دیکھ کر ممکن نہیں دل کو شکیب

جب نظر کے سامنے سانچے میں ڈھل کر آ گئی
ایک عالم کو بہارِ بے خزاں دکھلا گئی

کوہساروں سے تری فکرِ رسا ٹکرا گئی — آبشاروں میں پہنچنا تھا کہ وہ لہرا گئی
کہہ نہیں سکتا جہانِ شعر میں کیا پا گئی — راز کیا تھا جان کر جو اس قدر اترا گئی

اہلِ دل کے واسطے پُر کیف افسانہ ہوا
بیخودی طاری ہوئی ایک ایک دیوانہ ہوا

رازِ فطرت کر دیا دُنیا میں تُو نے آشکار — کیا ازل سے بانیِ قدرت کا تھا تُو رازدار
ہے ترا احسان دُنیائے ادب پر بے شمار — گوہرِ مضموں کو تُو نے کر دیا اُس پر نثار

اور گُل رنگِ بہارِ جاوداں پاتے نہیں
تیرے گلہائے سخن ہی ہیں جو مرجھاتے نہیں

حُبِ قومی ۔ جوشِ ملّت سے ہے پُر تیرا کلام
شاعری میں بھی رہا ملحوظِ خاطر احترام

بیکسی اپنے وطن کی ہے جو وردِ خاص و عام
خون اک اک رگ میں دوڑا سُننے کو تیرا کلام

خُفتگانِ ہند کو تو نے جگایا خواب سے
کر دیا آگاہ سب کو دہر کے آداب سے

عام سانچے میں کبھی مضموں ترا ڈھلتا نہیں
راہِ رَوندی پر کبھی بھولے سے تُو چلتا نہیں

لفظ جو رکھا وہاں سے وہ کبھی ٹلتا نہیں
کون مضموں ہے جو تیری گود میں پلتا نہیں

ہے بری فکرِ سخن تیری کسی تقلید سے
شعر کہتا ہے ہمیشہ غیب کی تائید سے

تیرا دیواں ہے جو زیبِ طبع بااِیں آب و تاب
سچ تو یہ ہے کوئی ثانی ہے نہ ہے اُسکا جواب

یادگارِ بے بہا کہتے ہیں اُس کو شیخ و شاب
شوقؔ بھی ہے متفق اس رائے سے عالیجناب

تیرے دُنیا میں فقط اہل نظر ہیں مشتری
قدرِ گوہر شاہ داند یا بداند جوہری

قطعات تاریخی

تراوشِ خامۂ

ناخدائے سخن تاج الشعرا فصیح العصر
حضرت مولانا مولوی محمد نوح صاحب نوح ساکن قصبہ نارہ ضلع الٰہ آباد
جانشینِ حضرتِ داغ مرحوم دہلوی

(۱)

چھپ گیا وہ کلام گلشن کا — جسکے مشتاق تھے سب اہلِ سخن
مصرعۂ سال نوح تم یہ لکھو — گلشن نیک و غنچۂ گلشن

۶۱۹۴۴

(۲)

جنابِ گلشنِ رنگیں سخن کا شوخ کلام — بنے گا باغِ تمنا برائے اہلِ کمال
کھلایا نوح نے کیا خوب غنچۂ تاریخ — طلسمِ تختۂ گلشن ہیں ہے مسیحی سال

۶۱۹۴۴

(۳)

نوحؔ گلشنؔ نے لکھا باغ نشاط ‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍ کیوں نہ خوش بُو سے معطر ہو مشام
وصفِ ممدوح میں ہے مصرعۂ سال ‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍ حضرتِ گلشنؔ پاکیزہ کلام

۱۹۴۴ء

(۴)

لوگ دیوان جن کو کہتے ہیں ‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍ اُن کا دیوان اب بجشنِ سخن
چھپ گیا لکھ دو سال ہجری کا ‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍ تم بھی اے نوحؔ خوش نوا گلشنؔ

۱۳۶۴ھ

(۵)

کھلا وہ باغِ نشاط چھپ کر زمانہ جس سے ہوا معطر
کریں گے گھر اپنا ہر کسی کی نظر میں نقش و نگارِ گلشن
اگر ہو سمت کی فکر تم کو تو نوحؔ یہ سالِ طبع لکھ دو
بہارِ باغِ شمیم گلشن ــ شمیمِ باغِ بہارِ گلشن

۲۰۰۱ ب ‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍‍ ۲۰۰۱ ب

قصیدہ تاریخ در صنعتِ توشیح

نتیجۂ نازک خیالی شاعرِ شیریں مقال عالی جناب رائے بہادر موہن لال سریواستو متخلص بہ شگفتہ

ایم - اے، بی - ایس سی، ریٹائرڈ کلکٹر و ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ - حال

دیوان ریاست کوریا (سی۔پی)

د دیارِ حُسنِ نظم و نثر میں مثلِ مہِ روشن
نگاہِ نقد دیکھے کُلّیاتِ حضرتِ گلشن ن گلشن

ی یہ لازم ہے کہ ہم سب شکرِ ایزد کا بجا لائیں
شمارِ دانۂ تسبیح ہے تدبیرِ مستحسن ش

و وہ دیکھو چھپ گیا مجموعۂ اسرارِ معانی کا
لکھا کاتب نے ایسا خوشنما آنکھیں ہوئیں روشن ل

ا ادب کی یہ عروسِ نو عجب سج دھج سے نکلی ہے
گہر زیبِ گلو بازو پہ ہے الماس کا جوشن گ

دیوان = ن نگینہ کی طرح ہر حرف ہے نقشِ سلیمانی

ہر اک مصرعہ ہے معنی کے دُرِ شہوار کا مخزن ہ = ناطق

ر رموزِ قلب سے معمور ہے ہر شعر کا سینہ

تصوّف کے حقائق سے بھرا ہے نظم کا دامن ت

ا اشاعت اس کی مژدہ ہے ہوا خواہانِ اُردو کو

ادائے خاص سے ہر لفظ میں معنی ہے نغمہ زن ا

د دیا ہے یوں ہر اک اِجمال کو تفصیل کا جامہ

نہیں باقی رہی ابہام اور توضیح کی اُلجھن ن

ہ ہر اک صنفِ سخن میں اِن کو یکساں کامیابی ہے

یہ میدانِ سخن میں ہر طرف دوڑاتے ہیں توسن ی = رادھے

رادھے = ی یہی اِن کی غزل گوئی کا حُسنِ امتیازی ہے

ہوس اِن کے تغزل کا نہیں چھوتی کبھی دامن ہ

ن نصیحت سے بھرا ہے اس طرح سارا کلام اِن کا

دیا ہے اِن کو لوگوں نے لقب سعدیٔ مُستحسن د

ا اسے پڑھکر ہر اک طالب سبق اخلاق کا سیکھے
اسے سُن کر ہر اک اہلِ طریقت بول اُٹھے احسن ا
ت تمنا ہے کہ یہ گلدستۂ اخلاقِ انسانی
رہے قائم زمانے میں بسانِ نقش برآہن ر
ناظم = ہ ہمارے دل میں گھر ہے آپ کے خُلق و محبت کا
نظر لطف و کرم کی ہے دلِ مغموم کا مامن ن۔ دیوان
گ گھر اپنا چھوڑ کر لاہور سے باصد اُولو العزمی
الہ آباد کو آکر کیا ہے آپ نے مسکن ا
ل لگایا ہے یہاں پر آپ نے "باغِ نشاط" ایسا
ولی کو بھی ملے جس میں گُلِ مقصود کا درشن د
ش شمیمِ خُلق سے مسرور ہو کر پیش کرتا ہے
یہ گلہائے عقیدت شیفتہ وابستۂ دامن ی

گلشن ۔ ن نگاہِ لطف سے ہاتف نے "تاریخِ مسیحی" کا
دیا ہے مادہ اے دل کلامِ حضرتِ گلشن د
۶ ۱ ۹ ۴ ۴

قطعۂ تاریخِ طبعِ دیوانِ گلشن

ازطبعِ وقادِ سخنورِ بلند فکرت سر آمدِ سخنورانِ باکمال عالی جناب پنڈت برجموہن دتاتریہ
متخلص بہ کیفی دہلوی

نہ کیوں دل فروز اور ہو روح افزا ‏ ‏ یہ دیواں فصاحت بلاغت کا مخزن
وہ رنگیں بیانی ہے اس میں کہ گویا ‏ ‏ ہر اک شعر کا پُر ہے پھولوں سے دامن
سلامت روی وہ خیالات کی ہے ‏ ‏ کہ گرویدہ کرتی ہے ہر ایک کا من
مضامین کھینچے لئے جاتے ہیں دل ‏ ‏ اِک اِک لفظ میں ہے نہاں نکتۂ فن
یہ دیوان گلشن کا دیوان ہے یا ‏ ‏ شگفتہ ہے معنیِ نادر کا گلشن
لطافت طبیعت میں جو آپ کی ہے ‏ ‏ اسی سے خیالات ہیں نیک و احسن

ضرورت نہیں داد کی کہدے کیفی
کہ ہیں غیرت گلشن اشعارِ گلشن

۲ ۰ ۱۰
۱ ۰ ۰ ۲ ب

قطعۂ تاریخ طبع "باغِ نشاط"

نتیجۂ افکارِ سخنورِ نکتہ سنج عالی جناب پنڈت تربھون ناتھ زتشی متخلص بہ زارؔ پروفیسر

فارسی و اُردو۔ اندرپرستھ کالج۔ دہلی

در زبانِ فارسی

حرفِ اوّل مصرعِ اوّل	مصرعِ اوّل	مصرعِ ثانی	حرفِ اوّل مصرعِ ثانی
۱۰۰۰	غمگسارے پُرسشِ احوال آمد چو دوش	غم غلط کردہ مرا و گفت اے گُم کردہ ہوش	۱۰۰۰
۲۰۰	رُونما نورِ سحر شد ظلمتِ شب دُور گشت	ضو فگن شد مہرِ انور ماہ ازرق پردہ پوش	۸۰۰
۱۰۰	قلبِ یاراں شاد شد دیوانِ گلشن طبع شد	قادرِ مطلق بقائے منتظر کردش بدوش	۱۰۰
۷۰۰	ذی شعورے گفت سالِ ہجریش "ساغرِ مکیف" (۱۳۶۳ھ)	دیرِ سالِ بکرمی "ایں خشتِ خُم" گفتا سروش (۲۰۰۱ب)	۴
۱	از رہِ اخلاص و حُبِّ ہمنوائے زارؔ گفت	مخرجِ تاریخِ عیسی "خلد چشم و خلدِ گوش" (۱۹۴۴ء)	۴۰
۲۰۰۱ب			۱۹۴۴ء

در زبانِ اُردو

نکلی "شبابِ غنچہ" تاریخ سالِ ہجری (۱۳۶۳ھ) — "باغِ نشاطِ شُرفا" تاریخ سالِ عیسی (۱۹۴۴ء)

ہے زارؔ سالِ فصلی "فکرِ غنا" سے اظہر (۱۳۵۱ف) — تاریخ سالِ بکرم "ذکرِ جہانِ غیبی" (۲۰۰۱ب)

قطعۂ تاریخِ طبع کلّیات

نتیجۂ افکار شاعرِ خوش گفتار عالی جناب عبدالمجید خواجہ ایم۔ اے (کنٹب)
بیرسٹر ایٹ لا متخلص بہ شیدا ساکن علی گڈھ

کلّیاتِ گلشنِ عالی وقار — مَیں کہوں کیا اس کی شانِ دلبری
حضرتِ دیوان رادھے ناتھ کول — گلشنِ بے خار جن کی شاعری
فکرِ غالب۔ ذوق کا لطفِ زباں — کون کر سکتا ہے ان کی ہمسری
مل گیا دیوانِ گلشن سے ثبوت — شاعری جزو یست از پیغمبری
جن کا ہر ہر مصرعہ ہے روحِ ادب — ہیں جو بیشک صدرِ بزمِ شاعری
اُن کا جب دیوان شایع ہوگیا — مَیں نے بھی شیدا بفضلِ داوری

سال ہائے عیسوی ہجری بہم
لکھ دئے۔ باغِ نشاطِ شاعری
۱۳۶۳ھ
۱۹۴۴ء

قطعۂ تاریخ طبع مجموعۂ کلام گلشنؔ

چکیدۂ قلم اعجاز رقم شاعر بدیع نگار عالی جناب مولوی لیاقت علی

متخلص بہ تاباںؔ بدایونی۔

گلشنؔ کو حقیقت میں حق آئیں سے کہئے

اور نظم یہ گلشنؔ نگاریں سے کہئے

سنہ فصلی و عیسوی میں تاباںؔ تاریخ

مرآۃ سخن - باغِ مضامیں سے کہئے

سنہ ۱۳۵۲ ف — سنہ ۱۹۴۴ء

قطعہ تاریخ طبع "باغ نشاط"

نتیجۂ فکر شاعرِ نازک خیال سخنورِ عالی ہمم عالی جناب خان بہادر

سید ابو محمد متخلص بہ فائق

بود نظمِ گلشن سخن را بساط
دہد شعرِ او روح را انبساط
چو تاریخ جستم سروشم بگفت
بجو سالِ طبعش زِ باغِ نشاط

۱۳۶۳ھ

قطعہ تاریخ باغِ نشاط

از رشحات خامۂ جادو طراز سخنور نکتہ سنج عالی جناب کپتان سید محمد ضامن علی متخلص بہ ضامن

ایم۔اے صدر شعبۂ اردو الہ آباد یونیورسٹی

ہے سزاوارِ ثنا وہ بے نیاز و کارساز
قلبِ انساں کو عطا جس نے کیا سوز و گداز
میرے مشفق حضرتِ دیوان رادھے ناتھ کول
گلشنِ علم و ادب کے بلبلِ نغمہ طراز
ہے مجسم خُلق اُن کی ذاتِ والا مرتبت
اُن پہ ہر محفل میں پڑتی ہے نگاہِ امتیاز
نقشِ زرّیں صفحۂ ہستی پہ ہے ان کی حیات
ہر ہنر سے ربط ہے۔ ہر عیب سے ہے احتراز
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے نکہتِ باغِ سخن
یہ وہ گلشن ہے کہ جس پر خوشہ چینوں کو ہے ناز

قابلِ تقلید حُسنِ فکر و اندازِ بیاں
ہر غزل ہر نظم ہے بزمِ ادب میں سرفراز
دامنِ تخئیل پر اک دو رُخی تصویر ہے
جنگِ حُسن و عشق و ہم آغوشیِ ناز و نیاز
قصّۂ دار و رسن افسانۂ برق و کلیم
شرح و بسطِ جذبِ دل تعریفِ محمود و ایاز
مخزنِ پند و نصایح عبرت آموزِ جہاں
درس آموزِ وفا ہے یہ زبانِ پاک باز
ہے دعا ضامنؔ کی یارب رہتی دُنیا تک رہے
طبعِ گلشن کا ریاضِ دلفروز و دل نواز

۱۹۴۴ء

تقریظ

چکیدۂ کلک ادیب لبیب شاعر شیریں کلام عالی جناب سید آل رضا
متخلص بہ رضا ایڈوکیٹ قیصر باغ لکھنؤ

دیوان رادھے ناتھ کول صاحب 'گلشن' اس زمانہ کی یادگار ہیں جب ہندو مسلمان مل جل کر اپنے وطن کی تہذیب اخلاق اور معاشی زندگی کو سنوارتے تھے اور جن کو مہذب زمانہ ہمیشہ یاد کرے گا۔ ملئے تو جی خوش ہو جائے، جتنی دیر بات کیجئے دُنیا کا غم غلط معلوم ہو۔ موصوف بلند پایہ شاعر تو ہئی ہیں لیکن اس سے بہتر انسان ہیں، جس کی جھلک اُن کے تقریباً ہر شعر میں نظر آتی ہے اور یہ صفت قوت شعری کی قابل قدر کامیابی ہے۔ اس وقت حضرت گلشن کے کلام پر مفصل تبصرہ کا موقع نہیں ہے، لیکن مختصراً یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ زیر طبع دیوان اُردو ادب میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔ جس طرح خود ہمارے دیوان صاحب علم و ادب، اخلاق و انسانیت کے ایک ممتاز فرد ہیں۔

خدا موصوف کو اُن کے فیوض کے ساتھ زندہ اور سلامت رکھے۔ اُردو زبان پر جناب گلشن کے بڑے احسانات ہیں۔

ضمیمه

(۱)

خوش ہوا کرتا ہوں جب میں تم کو شاداں دیکھ کر — کس لئے تم ہنس رہے ہو مجھ کو گریاں دیکھ کر
عشق کے کوچے میں کچھ آساں نہیں رکھنا قدم — جان بھی لازم ہے کرنا اس پہ قرباں دیکھ کر
پھنس گئے ہیں جال میں دُنیا کے سب اہلِ ہوس — دلفریب و دلکش و دلچسپ ساماں دیکھ کر
نفسِ امّارہ کو ایسا چاہئے کرنا مطیع — تاکہ پھر سرکش نہ ہو عشرت کے ساماں دیکھ کر
زندگی اک اِمتحاں ہے اس میں کوشش چاہیئے — تاکہ گھبرائے نہ دل خوابِ پریشاں دیکھ کر
جب محبت ہو گی نفرت کا نشاں مٹ جائے گا — ایک ہو جائیں گے سب کارِ نمایاں دیکھ کر
ہیں یہی دو کام اُلفت اور خدمت خلق کی — سیکھنا دُنیا میں ہے انساں کو انساں دیکھ کر
کیا خبر انسان کا رنگِ طبیعت کیا رہے — شاد کیا ہوں ہم کسی کے عہد و پیماں دیکھ کر

دل میں جب ہمّت نہ ہو اُلفت نہ ہو تو کچھ نہیں
کون خوش ہوتا ہے گلشنؔ گھر کو ویراں دیکھ کر

(۲)

ہم کو تنہائی کا دُنیا میں ذرا بھی غم نہیں
خود ہی ہمدم اپنے ہم ہوں گے اگر ہمدم نہیں

جب حقیقی یکدلی کے ساتھ ہم باہم نہیں
پھر تعجب کیوں کریں ہم ہیں اگر کچھ دم نہیں

چند روزہ زندگی کا لطف کیا جھگڑوں میں ہے
بات تو اچھی وہی ہے جس میں پیچ و خم نہیں

کام لیتے ہیں عداوت سے ہمیشہ خود غرض
اُن کو اپنے نفع کے آگے کسی کا غم نہیں

راکھ میں جب تک دبی ہے آگ جا تو خیر ہے
مشتعل ہونے کو چنگاری بھی یوں تو کم نہیں

دُور ہوتی ہے جہالت علم کے فیضان سے
علم حاصل ہو تو دُنیا درہم و برہم نہیں

کھیل دُنیا کا سب اپنے دل میں آتا ہے نظر
درحقیقت کوئی بھی نادار جامِ جم نہیں

زندگی کا لطفِ گلشن کچھ گدازِ دل میں ہے
وہ بھی کوئی آنکھ ہے جو تر نہیں پُر نم نہیں

(۳)

اپنی نظر کو دیکھوں نہ اُس کی نظر کو میں
آگاہ راز سے نہ کروں بے خبر کو میں

کس کی تلاش ہے مجھے یہ بھی پتا نہیں
جاتا کبھی اِدھر کو کبھی ہوں اُدھر کو میں

وہ کون سی خطا ہے کہ جس کی سزا یہ ہے
ڈالا گیا ہوں قید میں کیوں عمر بھر کو میں

شیطان بھی یہی ہے فرشتہ بھی ہے یہی
پہچانتا ہوں خوب مقام بشر کو میں

دُنیا میں جسکے حُسن کے جلوے ہیں ہر طرف
رکھتا اُسی کے سَمت ہوں اپنی نظر کو میں

حالات مختلف ہیں مگر جانتا ہوں ایک
نفع و ضرر کو اور شکست و ظفر کو میں

دُنیا میں کوئی شئے نہیں، اپنی جسے کہوں
گھر دوسرے کا جانتا ہوں اپنے گھر کو میں

سر پر لئے ہوں بوجھ مگر کچھ خبر نہیں
تیار ہو رہا ہوں کہاں کے سفر کو میں

بہروپیہ کا کھیل تماشہ ہے زندگی
محسوس کر رہا ہوں کچھ ایسے اثر کو میں

دو دن کی زندگی کا فسانہ بھی کچھ نہیں
گلشنؔ کروں گا طول نہ اس مختصر کو میں

(۴)

دیکھ لو کیسا سبق شاخِ شجر دیتی ہے
سنگ تم مارتے ہو اور وہ ثمر دیتی ہے

حُسن اور عشق میں ہوتے ہیں اُسی کے جلوے
ہر جگہ کام فقط دل کی نظر دیتی ہے

کون کر سکتا ہے رزّاق کی رحمت کا شمار
ہو جو اک بند، کئی کھول وہ در دیتی ہے

کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہے یہ قسمت کا اصول
مُفلسی ایک کو اور ایک کو زر دیتی ہے

کہیں تقدیر سے تدبیر کا بس چلتا ہے
چاہتی جیسا ہے تقدیر وہ کر دیتی ہے

ہر دمِ تازہ ہے پژمُردگیِ دل کی دلیل
"زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے"

حد سے بڑھ جانے کا انجام ہمیشہ ہے خراب
مَوت آتی ہے تو چیونٹی کو بھی پر دیتی ہے

آ کے دُنیا میں مصیبت کے سوا چین کہاں
آخرش عُمر کا پیمانہ یہ بھر دیتی ہے

سب رہِ راست پہ آجاتے ہیں آخر گلشن
سچّی تعلیم ہمیشہ یہ اثر دیتی ہے

مخمّس بر غزل خود

از

ناخدائے سخن تاج الشعرا فصیح العصر حضرت مولانا مولوی محمد نوح صاحب نوحؔ ساکن نارہ ضلع الہ آباد

جانشین حضرت داغؔ مرحوم دہلوی

(۵)

طالب و مطلوب میں عہدِ وفا ہوجاے گا   ربط بڑھتے ہی زمانہ دوسرا ہوجاے گا
کیا بتاؤں رفتہ رفتہ اور کیا ہوجاے گا   دل اگر اسرارِ حق سے آشنا ہوجاے گا
اُس کا میں ہوجاؤں گا وہ بھی مرا ہوجاے گا

پیش تر پامال مثلِ نقشِ پا ہوجاے گا   اس کے بعد اکسیرِ اعظم سے سوا ہوجاے گا
آخر آخر پھر نہیں معلوم کیا ہوجاے گا   خاک میں مل کر جو تو بھی خاک سا ہوجاے گا
سہل رستہ منزلِ مقصود کا ہوجاے گا

روح فرسا واقعہ راحت فضا ہوجاے گا   نالۂ پُر درد و غم لطف آشنا ہوجاے گا
الغرض ہر کارِ بے جا بھی بجا ہوجاے گا   ناروا بھی ہم کو ناصح سب روا ہوجاے گا

جب کبھی دل اپنا راضی بہ رضا ہو جائے گا

اضطرابِ دل سکونِ دل کشا ہو جائے گا — منظرِ تکلیف و رنج و غم فنا ہو جائے گا
فکر مٹ جائے گی بارِ سر ہُوا ہو جائے گا — قرض جب جس کا ہے دینا جب ادا ہو جائے گا
قید سے اُس وقت قیدی بھی رہا ہو جائے گا

بالیقیں آزادِ فکرِ ماسوا ہو جائے گا — حسرتیں نکلیں گی پورا مدّعا ہو جائے گا
سرمدی جلوہ یکایک رو نما ہو جائے گا — دل کا آئینہ ترا جس دم صفا ہو جائے گا
عکسِ وحدت دیکھ کر اُس میں فدا ہو جائے گا

جلوۂ کون و مکاں ڈھونڈھے گا اپنے دل میں تُو — رازِ تخلیقِ جہاں ڈھونڈھے گا اپنے دل میں تُو
حُسنِ ربِّ جسم و جاں ڈھونڈھے گا اپنے دل میں تُو — جب نشانِ بے نشاں ڈھونڈھے گا اپنے دل میں تُو
ہو کے روشن داغِ حسرت رُو نما ہو جائے گا

منحصر لُطف و اخوّت پر زمانے کا نکاس — باہمی امداد پر موقوف درمانِ ہراس
چاہئے غم خواریِ عالم بصد عقل و حواس — کیا رہے گا جُز دلِ بے درد خود غرضوں کے پاس
درد دل سے، درد سے جب دل جدا ہو جائے گا

نفسِ امارہ نے قائم کر لیا اپنا بھرم — ہر گھڑی وسواس ہر لحظہ توہّم بیش و کم

لیکن احساسِ خوشی کیا اور کیا ادراکِ غم   جب مٹا دیں گے دوئی کا نقش لوحِ دل سے ہم

لطفِ دُنیا خود بخود سب بے مزا ہو جائے گا

عیش بھی اکثر اُٹھائے غم بھی جھیلے بیشتر   رنگ بدلے انقلابِ دہر نے شام و سحر
ابتدا و انتہا پر چاہیے رکھنی نظر   اس قدر ہیں محوِ غفلت کچھ نہیں ہم کو خبر

کیا ہوا، کیا ہو رہا ہے، اور کیا ہو جائے گا

کون ہم سر آرزو میں کون حسرت میں حریف   چار دن کی زندگی جھگڑا اہم وقفہ خفیف
اتنے منصوبے مگر اپنی جگہ اتنا نحیف   خواہشوں کا اک عجب پتلا ہے انسانِ لطیف

جب ہوس بجھ جائے گی وہ بھی ہوا ہو جائے گا

کیا احبّا کیا اعزّا کیا برادر کیا پسر   کیا ادا ہے کیا مراتب کیا دو روزہ کرّ و فر
بے بقا اسباب گو دلکش بہت کچھ ہیں مگر   چشمِ باطن سے کرے گا اپنی جانب جب نظر

تجھ پہ ظاہر زندگی کا مدّعا ہو جائے گا

بعد مر جانے کے ہے بے کار ساری کھینچ تان   کر چکے ہم آزمائش دے چکے ہیں امتحان
کیا چھڑے گا راگ کوئی کھل سکے گی کیا زبان   نغمۂ دل سوز سننے کو بھی ترسیں گے یہ کان

ایک دن جب سازِ ہستی بے صدا ہو جائے گا

عجزِ صادق باعثِ صد افتخار و صد وقار　　دشمنِ رشد و ہدایت نخوتِ آشفتہ کار
چشمِ تر سے نوحؑ کیوں طوفاں اُٹھائے بار بار　　بندۂ عاصی کو گلشنؔ وقت کا ہے انتظار

جب خودی کو چھوڑ دے گا خود خدا ہو جائے گا

باغِ نشاط اور سیرِ محشر

از قلمِ جادو رقم عالی جناب مرزا فرزند علی محشرؔ مرزاپوری

جنابِ گلشنؔ ادب کی محفل کی شمعِ ضوبار و ضوفشاں ہیں

مہذب و منکسر مزاج و خلیق و خوش فہم و خوش بیاں ہیں

ادیب۔ شاعر۔ سخن پہ شیدا۔ زبانِ اُردو کے دل سے حامی

گلِ مضامیں کے قدرداں ہیں۔ ادب کے گلشن کے باغباں ہیں

کلام سادہ ہے لیکن اشعار اوج میں رشکِ آسماں ہیں

جگہ جگہ پر شرابِ عرفاں کے جام کی کیف باریاں ہیں

نہیں یہ "باغِ نشاط" کے پھول بلکہ محشرؔ میں یہ کہوں گا

کسی حقیقت شناس دل کے صحیح جذبات کی زباں ہیں